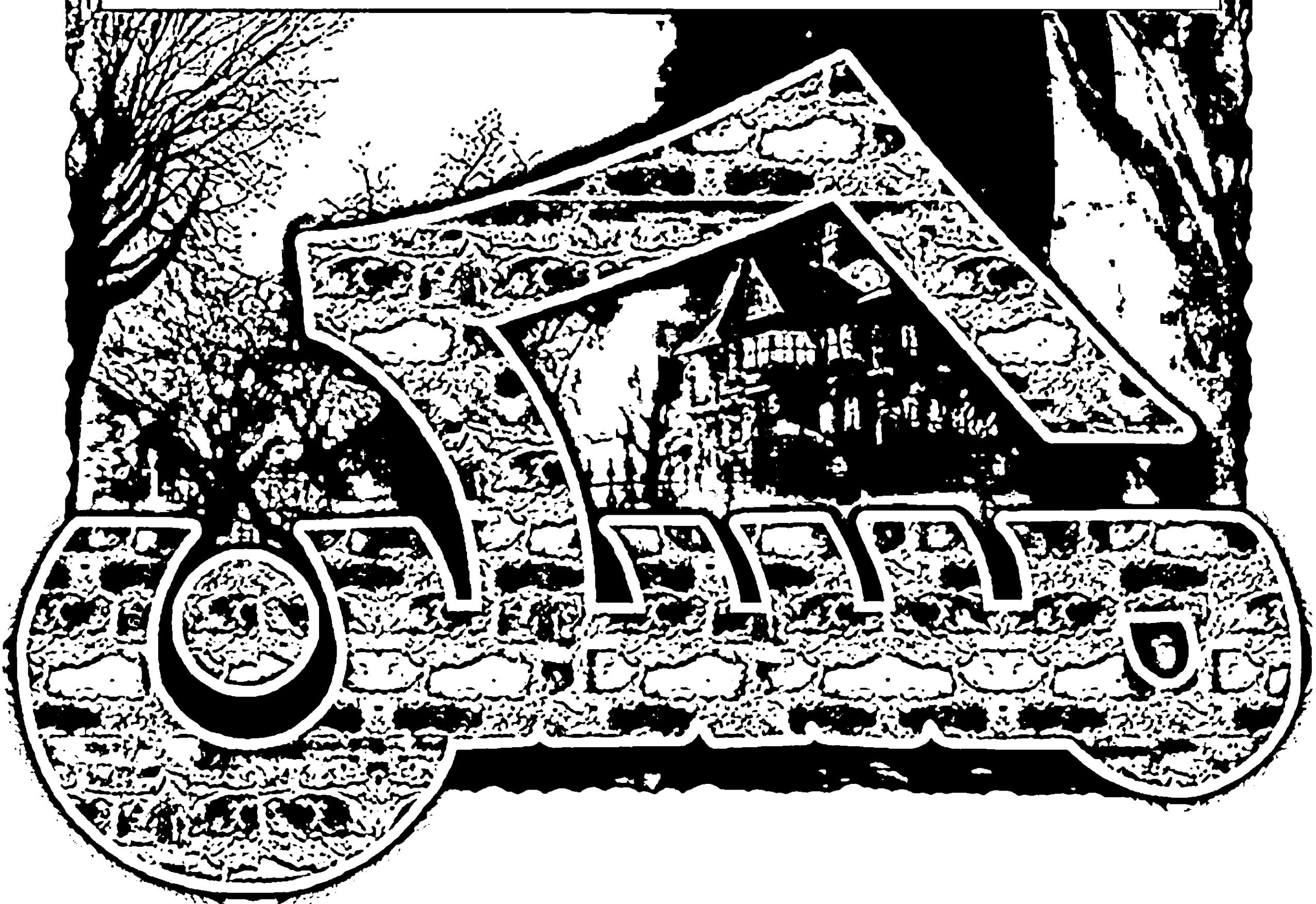


# انوار علیہ کا نیا انوکھا قیامتِ خیز سلسلہ



وہ اس گلی کا آخری مکان تھا۔ گلی بند تھی اور پہچھے قبرستان تھا۔ مکن شرخ انہوں سے بناتا تھا۔ دیواریں پلاستر سے محروم تھیں۔ جگہ جگہ سے نیپ اکڑی ہوئی تھی۔ انہیں بھی اٹوٹ پھوٹ کا شکر تھیں۔ لکڑی کا دروازہ تھا۔ لکڑی بوسیدہ ہو چکی تھی۔ دوپٹ کے اس دروازے پر کبھی کوئی تالا نہیں لگتا تھا۔ تالا لگتا کیے، کوئی کندھی نہ تھی۔ دروازے کے آگے نہ پہچھے۔ ضرورت کے وقت کو اڑوں کے پہچھے ایک بھاری پتھر رکھ دیا جاتا، درندور دارہ کھلا رہتا۔ جو اس گھر میں رہائش پذیر تھا، اسے اس بات کی قلعہ پر رانہیں تھیں کہ دروازہ کھلا ہے یا بند۔

اس پرانے مکان میں ایک اتنی سالہ بڑی صیارہ تھی تھی۔ جھریلوں بھر اس انولا چہرو، درمیانے قد، دلی ٹکی، سیدھی کر، سنیدھی سایہ بال، منہ میں پورے دانت، کالی گبری آنکھیں، آنکھوں میں ایک خاص شیطانی چمک، چست اور مستعد۔ وہ کسی صورت اتنی کی نہ لگتی تھی۔

دو گھر دوں کے اس گھر میں دنہارہ تھی تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ کو باور پی خانہ تھا اور بائیں ہاتھ کو کر دوں کا دروازہ تھا۔ بڑا گھن تھا اور گھن کے آخر میں فسل خانہ تھا اور اس کے ساتھ بیت الگلا۔ کمرے کے دروازے کے بائیں جانب نکالا گا تھا۔ اس نکلے کے گرد چارفت کی چوچا نج اونچی منڈر تھی۔ گل کے نیچے سینل کی ڈونی پھوٹی اور آدمی بھری بولی بائیں میں اسیں کاڈونگا پڑا تھا۔

گھن میں ایک نہم کا درخت جو کہا ہوا تھا۔ اس درخت کی جڑیں اگرچہ قبرستان کی طرف تھیں لیکن تنے کا اپری حصہ دیوار میں چھاہا ہوا تھا۔ یہ ایک بڑا درخت تھا جو اداھا اس گھر کے گھن اور آدھا قبرستان کی طرف سایہ کئے ہوئے تھا۔ انہوں کی اوپری دیوار کے اس طرف سے چھی تھم کے مردوں کے بولنے کی آوازیں اتنی تھیں۔

اس اتنی سالہ بڑی صیارے کے بارے میں مکمل میں عجیب و غریب کہانیاں گردش میں تھیں۔ خالہ صابرہ کا خیل تھا کہ مائی ٹکھی بخارن ہے۔ یہ کی شہری بابو کے عشق میں بھلا بکرا پناہیں چھوڑ آئی، بعد میں دو شہری بابو بھی اسے چھوڑ کر چلتا بنا۔ پناہی شوکت، مائی ٹکھی کا تعلق کوکت سے جوڑتا تھا۔ تھیز میں کام کرتی تھی۔ گردش زمانے اُسے لاہور پہنچا دیا۔ تائی مشاق کا خیل تھا کہ یہ بھگل ضرور ہے لیکن اس کا تعلق شاہی محلے سے تھا۔ اپنے وقت کی بہترین رقص تھی۔ پھر وقت نے اسے کنارے لگادیا۔ کسی کا خیل تھا کہ یہ جاؤ گرنی ہے۔

مائی ٹکھی کے گھر کے سامنے ایک جھوپڑی پڑی تھی۔ اس جھوپڑی کے باہر گھری چار پائی پر ایک سیاہ قام بڑھا، حلقے کی نئے منہ میں دبائے ہو رہے تھے۔ "کھوں کھوں" کرتا رہتا تھا۔ اس بڑھے کی ایک جوان بیٹی اس کے ساتھ رہتی تھی جو گھر دوں میں کام کرتی تھی۔ کچھ لوگوں کا خیل تھا کہ یہ بڑھا راصل مائی ٹکھی کا شوہر ہے لیکن اب دونوں اس طرح الگ ہوئے ہیں جیسے ایک درمرے کو جانتے ہیں۔

اصل میں مائی ٹکھی کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔ مخفی قصے کہانیاں تھیں، قیاس آرائیاں تھیں۔ یہ قصے اس نے پھیلے تھے کہ مائی ٹکھی کا محلے میں آنے جانا تو درد، گلی کے لوگوں سے بھی کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ کسی سے تعلق نہ رکھتی تھی۔ شروع میں گلی کے کچھ لوگوں نے یہ سوچ کر کہ مائی ٹکھی گھر میں تباہ رہتی ہے، بڑھا ہے۔ اسے کہانا دینے کی کوشش کی تو اس نے یہ کہہ کر کھانا لوٹا دیا کہ وہ مر جیں نہیں کھاتی۔ کسی نے شیر نہ دینے کی کوشش کی تو پھر بھی جواب ملا کہ وہ مٹھا نہیں کھاتی۔ جب صابرہ خالہ نے ساتو غنے میں کہا۔ "اس نجھوں کو تو زہر دو، وہ خوشی سے کھا لے گی۔"

یہ بات، اگرچہ طنز اکی گئی تھی لیکن حقیقت یہی تھی کہ مائی ٹکھی کو زہر دیا جاتا تو اس کی سخت پر کوئی اثر نہ پڑتا۔ سکھا تو وہ روز کھاتی تھی۔

مائی ٹکھی ہمیشہ سیاہ لباس میں رہتی تھی۔ وہ لہنگا اور کرتی پہنچتی تھی۔ آنکھیں ہر دقت کا جل سے بھری ہوتیں، گلے میں سیاہ ذوری میں بندھا جاندی کا ایک تعویذ لٹکارتا۔ اس تعویذ کو وہ کبھی ملتے سے





ملی نثار نے جیپ سے بٹاں کل کراس میں سے جو نوٹ یہیلے ہاتھ میں آیا، دونہبیوں نے فقیر کے ہاتھ پر رک دیا۔ دو یا تجھ سور ویے کانوٹ تھا۔

فقیر نے یہ دیکھے بغیر کہ فوٹ کتنے کا ہے، اپنی سُنگھی میں دبایا جیسے کوئی کاغذ کا نکڑا ہو۔ پھر دو گاڑی کے پچھلے دروازے کی طرف آیا۔ اس نے عابر پر نظریں جما میں اور بے نیاز لبھے میں بولا۔ ”تجھے دنیاڑ حونڈ ری ہے۔“

اتنا کہہ کر وہ سیدھا ہوا اور تیزی سے ایک طرف چلا گیا۔

علی نادر نے اک گھر انس لیا۔ یا الٰہی سے تیر سے اسرا بندے لانبوں نے اپنے دل میں وہ رایا اور گمازی اشارت کر دی۔

"ابو۔ یہ فقیر کیا کہہ رہا تھا؟" صائمہ نے پوچھا۔ وہ سچھلی سیٹ پر عابر کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کا شوہر موڑ سائیکل پر تھا۔ دو نیچے ساس کے پاس چھوڑ آئی تھی اور شوکت بھائی عابر کی حالت سننچلنے کا سن کر گھر جائے گئے تھے۔

"پاکنیں۔ اسے کیسے معلوم ہوا سب کچھ۔ مجھے تودہ حیران کر گیا ہے۔" علی شمارا مجھے ہوئے تھے۔

"ايو۔ کما غابر دا تی موت کے منہ میں چایا گاتھا۔"

"ہاں بٹا۔ مجھے جب محسوس: داکہ اس کی زندگی ختم بوری سے تو میرے دل سے رے افتارد عائلی اور میرے منہ سے کھوایا انکل گا جس کی مجھے توقع نہ تھی۔" علی شمار نے بتا۔

"او۔ آخر آپ کے من سے اسکا لٹک گیا کہ اللہ نے آپ کا ادنیاروشن کا۔ "حاتمؑ نے گہرے دلچسپی سے اوحجا۔

نمایش نموده اند و خاموش بینه گهه جمهور فعال کردند اما با تأثیر بانه تائید نمودند.

"اک ہائیکم بنا "خانہ نوار کو خاص مٹی پر لکھ کر اسے انگکار

"جھوٹو جھوٹا لشکر کا کرکٹر، سچا لشکر کی نہ کہا گئی، اس نے سکھا۔" تین نہیں تھے لشکر کا

"الله تبارك وَ كَرَّهْ نَمَاءْ شَكْرِيَّةَ لَكَ"؛ نَحْمَنْ شَكْرِيَّةَ لَكَ

عابر خاموش بیخاتھا۔ اس نے فتیر کی بات سنی تھی۔ صائمہ اور باپ کے درمیان جو مکالمہ ٹھیں رہا تھا۔ وہ بھی اس کے ہاتھوں میں پڑ رہا تھا۔ اس کا بھمار ایک سو چھوڑ بجے تک جا پہنچا تھا۔ اسے دوسری زندگی مل تھی کہ اس سرکا گزری تھی، اس کا اسے نوری طریقہ اور اسکے نہ تھا۔

ابو نے جب اس کے منہ میں تھر میز رکھا تو اس نے ایک نظر آئیں کھول کر دیکھا تھا اس کے بعد اس پر غنست خاری ہو گئی تھی۔ اسے ہوش نہیں رہا تھا۔ اسے اپتال جا کر بوش آیا تھا اور پھر بہت تینی سے اس کی حالت سنجھلتی چلی گئی تھی۔ اب وادانے بارے میں بھیغ دغیرے بتیں سن رہا تھا۔ کہا واقعی وہ موت کے منہ میں چاہا گا تھا۔ کہا واقعی اسے نئی زندگی ملی تھی۔

"جیا اؤ؟" صابر نے پھر علی شاکر کی توجہ دعا کی طرف مبذول کروائی۔

"اے۔ آخر آپ سکرمن سے اس کیا لٹک مگا ک اشہ۔ نہ آپ کا دنار دن کا۔" "سمائی۔ نے کہہ دیا (لچکے) سے ائے جھا۔

علایر شد، نزک کنی از جانشینی خود خاموش شد و بین مکه جمهور فتحا کرد، سنترا بر تائید باز نداشت.

”آن ہائیکم بنا“ تھا۔ نے اس کو خاصیت دی کر کے اسے ان کا

"جھوٹھڈا لاش کی شکار کر کر تھا۔ وہ اپنے کسی کو نہ سمجھتا تھا۔" مگر اپنے بھائی کو سمجھا۔

"الله أعلم" حكمت زهرة بشكرا على "بنجم" نشئيكن على يمينها

غابر خاموش بیخا تھا۔ اس نے فتیر کی بات سنی تھی۔ حسامہ اور باپ کے درمیان جو مکالمہ چل رہا تھا۔ وہ بھی اس کے کافیوں میں پڑ رہا تھا۔ اس کا بنیار ایک سوچو درجے تک جا پہنچا تھا۔ اسے دوسرا زندگی کا آتھا۔ کم سے استتا رکھ کر کہا گز رہ تھا، اسی اکار سے ہو رہی طرف، ڈارا کرنے تھا۔

ابو نے جب اس کے منہ میں تھر مایسٹر لگایا تھا تو اس نے ایک نظر آئیں کھول کر دیکھا تھا۔ اس کے بعد اس پر گنلت ڈاری بھی تھی۔ اسے ہوش نہیں رہا تھا۔ اسے اپتال جا کر ہوش آیا تھا اور پھر بہت تنی ساری کیا جائیں گے۔ اب دوسرے نامے میں بھی دوسرے نامے میں جایا گیا تھا۔ کہا واقعی دوسرے نامے میں جایا گیا تھا۔ کہا واقعی اسے نہیں زندگی کیا گی تھی۔

"جے اے تو؟" صائمہ نے پھر خدا بشار کا تحدی دعا کی طرف منڈوا کر واپسی۔

"شانگھائی میں اپنے افسوس سے تباہ کرنا۔" تاہم شانگھائی نہ کہا۔

ساعه نزدیکی از ساعت از میانگین تا حدود ۲۰٪ نسبت به میانگین

گشته ام جهاد نزدیکی را سنجیدم که اینها بسیار خوب بودند و از آنها میتوانستم

”انه علامة للذوق والذوق العالى“

"اچھا بتاتا ہوں۔ بیٹا جب میں نے عابر کی پیشانی پر با تحرک رکھا تو اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔ اس کی آنکھیں دیکھ کر میرا دل بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں انتہائی دیرانی تھی، مردی چھائی بھی تھی۔ اس کی آنکھیں دیکھ کر جانے کیوں میرا دھیان اس لڑکی کی بد دعا کی طرف چاہ گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے اس کی بد دعا کا رگر ہو گئی ہے۔ عابر بس چند لمحوں کا ہے۔ تب میں نے فوراً اللہ سے رحم کی بھیک مانگی اور بد دعا سے بچاؤ کی درخواست کی۔ پھر بے اختیار میرا مجھے چاہا کہ میں اپنی زندگی کے بد لے عابر کی زندگی مانگ اوں۔ ابھی میں یہ کہنے ہی والا تھا کہ اللہ میں زندگی کی آخری حدود پر ہوں۔ مجھ سے میری زندگی لے لے اور اس کے بد لے میرے بیٹے عابر کو زندگی عطا کر دے۔ پھر فوراً ہی خیال آیا کہ اللہ تنگ دست تو نہیں، اس کے پاس زندگیوں کی کیا کمی ہے۔ میں اپنی موت کی دعا کیوں کروں۔ اللہ کو سہ بات بڑی نہ لگ جائے کہ میں نے اسے اتنا تنگ دل اور چھوٹا کیوں سمجھ لا۔ اللہ تو سے سے ہے، وسیع الفک سے۔ بگر پھر میرے نے اللہ سے رحم ملک کا۔ عابر کا زندگی کی بھیک











تحمی۔"

"بات تو اب بھی پوری نہ ہو سکے گی، میں کوئی آیا ہی چاہتا ہے۔" ملکہ نے دروازے کی طرف دیکھا۔

"پھر ہم کہاں ملیں اور کیسے ملیں؟" نابر بولا۔

"کانچ کے گیٹ پر۔" ملکہ نے راستہ دکھایا۔

عاشر یہ سن کر یکدم خوش ہو گیا۔ اس نے فراکانج کا نام اور وقت پوچھ لیا۔ اس سے قہل کہ دونوں میں مزید کوئی بات ہوتی، شائستہ اور فاخر دونوں باتیں کرتی ہوئی اندر آگئیں۔

"ارے ملکہ! تم تینیں تینیں ہو، ہم بھجوہ بے تھے کتنے پورا گھر دکھادیا ہو گا۔"

"نہیں..... آپی، میں آپ کا انتشار کر رہی تھی۔"

"گزر گل۔" فاخر وہ خوشی کا انہمار کیا۔

پھر تینوں نے اسے اپنا گھر دکھایا۔ نابر کا باب اس گھر سے چکنے نہ رہی تھی۔ وہ بیباں ملکہ کے لئے آیا تھا، اسے دیکھ لیا تھا اور آئندہ ملاقات کی راہ بھی صاف ہو گئی۔ بہر حال بیباں آیا تھا تو رسم تو نہما تھی۔ وہ ان کے ساتھ ہی خوشی کو خرام براخرب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ مزے کی کافی پی اور اپنے گھر کی راہ بیلی۔  
دوسرے کے گھر پہنچا۔ گھنی بجانے پر جس نے دروازہ کھولا، اسے دیکھ کر وہ یکدم سہم گیا۔

"یہ تمہارے گھر آنے کا وقت ہے؟" علی ثار نے لبچت کے بنا کہا۔

"جی..... اب..... دیر ہو گی، دیسے میں ای کو بتا کر گیا تھا۔" عاشر نے نازنین کی طرف مد طلب نظر وہ سے دیکھا جو ملیٹی ٹارکے چھپے کمزی تھیں۔

"تم اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟" علی ثار نے پوچھا۔

"ابو، ایک دوست کے ہاں سے آ رہا ہوں، اس نے کھانے پر بلا یا تھا۔"

"مجھے ذرا اس کا نمبر دیا، اس وقت رات کے درجے ہیں، یہ کمانے کا کوئی سا وقت ہے۔" علی ٹارکے لبچ میں اب غصہ در آیا۔

"چھا..... بات کر لیجئے گا۔" نازنین نے حمالہ سنجیدہ ہوتے دیکھ کر مداخلت کی۔ "اب یا آپ کا زمانہ تو ہے نہیں کہ اپنے وقت پر دشمن ہو جائے، یہی پوچھے، اسے وقت کی قدر ہے ہا اور اک۔

عاشر تم آئندہ اتنی دیر یک گھر سے باہر نہیں رہو گے۔ میں لیا تم نے۔ اپنے تمام نہیں وہ ستوں کو بتا دینا۔"

"جی اسی۔" نابر نے اجنبی فرمانبرداری سے کہا۔

اور اس طرح نازنین نے اپنے تدریسے عاشر کے سر پر گھوٹی شامت کو ٹال دیا۔

لیکن یہ ملکہ زیادہ دن ملے والا نہ تھا۔ علی ٹارکے لبچ میں چھپے تھے۔ اُنہیں عاشر کے لیل و نبہار کا بالکل پانچ سالہ تھا، میں وہ اتنا ہی بھجوہ ہے تھے کہ وہ الابال جمعیت، ایک سات لو جوڑا کا ہے، جب تک اس کے گرد گھر ایک نہیں کیا جائے گا، اس کے سر ہرنے کا امکان نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے برادر است باز پر شروع کر دی تھی۔

ایک دن عاشر نے ملکہ کے ہاتھے ہوئے وقت پر کانچ کا چکر لگایا۔ یہ چھنی کا وقت تھا، لڑکیاں تیزی سے کانچ کے گیٹ سے باہر آ رہی تھیں۔ عاشر ہاں کافی دیر یک گھر اس کی نظر نہیں آئی۔ شاید وہ آج کانچ آئی ہی نہیں تھی۔

اس نے وہی رکھرے گھرے شائستہ کو فون کیا۔ وہ حراڑھری باقتوں کے بعد ملکہ کا ذکر چھیڑا۔ شائستہ نے بتایا کہ آج وہ کانچ نہیں گئی، اس کی طبیعت خراب ہے۔

"کیا ہوا؟" عاشر نے ٹکر مندی سے پوچھا۔

"ارے، ایک کوئی خاص بات نہیں، نزل دغدھ رہے ہے، نزلے میں تھوڑا ابہت بنار تو بوری جاتا ہے۔" شائستہ نے بے نیازی سے جواب دیا۔ پھر اچاک جیسے اسے کچھ بیاد آیا۔ دو بولی۔ "ہاں! وہ اب آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے، شاید وہ آپ سے ملتا چاہ رہے ہیں۔"

"کوئی خاص بات؟" عاشر کی چھٹی جس جاگی۔

"مجھے کیا ہا۔" شائستہ نے کچھ اس نہماز میں کہا کہ عاشر ملکوک ہو گیا۔

"ہتا میں ہا، آپ کو سب ہتا ہے۔" نابر بولا۔

"مجھے انہوں نے کچھ نہیں ہتایا، بس اتنا ہی کہا کہ کسی دن عاشر کو چائے پر بیاؤ۔" شائستہ اتنا کہہ کر بھی۔

"اچھا ٹھیک ہے، ہتا میں کہب آؤں؟"

"نیک کام میں بخلاف دیکھ بھائی کیس بات کی، آج ہی شام میں آ جائیں، اس وقت آپ کہاں ہیں؟"

"جی..... گھر رہوں۔" عاشر نے پورے یقین سے جھوٹ بولا۔ یہ آسانی سے ملکہ کی فراہم کر دی تھی۔

"چھیں پھر پنچھی..... شام کو آرہے ہیں آپ۔" شائستہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" عاشر نے فوراً بھری بھری۔

ڈاکنری شادو نے شام کو چائے پر بنا کر ناہر سے جو کچھ بہا، وہ اس کے لئے اجنبی خوشی کی تھا۔

لیکن اسی رات کھانے پر ٹھنڈی ٹارنے عاشر سے جو کچھ بہا، اسے من کر ناہر کی ٹھنڈی گھری۔

☆.....☆.....☆

انجو گھر میں نہیں تھی۔ آخر دو کہاں غائب ہو گئی تھی۔ ملکہ چکنی نے پورا گھر جھان مارا۔ گھر ہی کتنا بڑا تھا۔ دو کرے اور ایک چکن۔ اس نے احتیاطاً غسل خانہ اور بیت الٹا بھی دیکھ لیا۔ انجو بھیں نہیں تھی۔

اب ملکہ چکنی کو تشویش ہوئی۔ اس نے پریٹانی میں دو تین چکن چکن کے لئے۔ چکن میں نہیں کی زرد چیزوں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے چکن کے درمیان رک رک نہیں کیے پر نفرڑا ایں، غصے میں کچھ بڑی اور یکدم زور سے چھپی۔ "انجو..... تو کہاں مر گئی؟"

کوئی جواب نہ آیا۔ وہ بار پی ٹھانے کی طرف بڑی، بہنڈیا کے پانی میں ابال آ گیا تھا۔ اس نے لکڑیاں چھپے کر کے آگ میں ڈھکی اور ایک جلٹی کوڑی باتھ میں پکڑ کر چکن میں آئی۔

بٹتی لکڑی سے اس نے ملٹھ نہیں ایک حصہ کھینچا۔ پھر چپل اتار کر اس حصہ میں بٹتی لکڑی اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے منی میں ملٹھ بڑا راتے ہوئے تمن بار لکڑی زمین پر ماری۔

ایسی وقت انجو چھپت سے نیچے کوڈی اور اس کے سامنے آ کر بین گئی۔

ملکہ چکنی نے انجو کی لال آنکھوں میں نظریں گاڑ دیں۔ انجو کی آنکھوں میں اسے جس غصہ کی تصویر نظر آئی، اسے دیکھ کر خود ملکہ چکنی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

جس وقت ملکہ چکنی میں ایک باتھ آنکھوں پر کھٹک لئی تھی اور کونے پر تھانے میں ایک بینا گھس کے ہوئے تھے، تب وہ بیباں آیا تھا۔ وہ جادو بٹو نے اور ملیات کا ماہر تھا۔ وہ باقاعدہ ملکہ کا شاگرد تھا۔ ملکہ جب بھی اسے ضرورت ہوتی، وہ ملکہ چکنی سے مشورہ لیتے آ جاتا تھا۔ بینا میں بیچک لئنے سے اس کی ایک آنکھ ٹائی ہو گئی تھی۔ وہ ایک آنکھ کا تھا اور اس ایک آنکھ میں دنیا بھر کا ملے اور اس کا ملے۔

وہ اجنبی شاطر ٹھنڈی تھی، ہوتی پرست اور چکر باز..... اس کا نام چکر تھا۔ مجھے جب وہ ملکہ چکنی کے گھر پہنچا تو خلاف تھی اسی ملکہ چکنی کو غائب پایا۔ دروازہ دکھا تھا۔ دروازہ دکھا ہوا کوئی حرمت کی بات تھی۔

چکر، ملکہ چکنی سے ایک بے اولاد عورت کے سلسلے میں مشورہ کرنے آیا تھا۔ ایک ٹھنڈی کی چکر تھی۔ اس نے پورا گھر دیکھ لیا، ملکہ چکنی میں موجود نہیں تھی۔

چکر نے سوچا کہ شاید ملکہ چکنی آس پاں گئی ہو لیندا وہ اس کے انتشار میں چار پانی پر بین گیا۔

وقت گواری کے لئے اس نے چھس ہری گھری ٹھیٹ جیب سے نکالی اور سلا کر گھر اکش لیا۔

تب اس کی نظر کا لئے من کی غنیدھی پر پڑی۔ وہ بھی کرے سے نکلی تھی۔ اس ٹھنڈی کی چکر تھی۔ اس نے ملکہ چکنی کا تھا اور اس کا ملکہ چکنی سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا۔

اس نے انجو کو غور سے دیکھا تو وہ ایک دم اسے اجنبی کام کی دکھائی دی۔ ایک ٹھنڈی کی ضرورت تھی۔ یہ ٹھنڈی اسے "خاص" دکھائی دی تھی۔

وہ چار پانی کے نزدیک آ کر ایک پانے سے اپنا جسم رگز نے گئی۔

چکر کے شاطر ہم نے ذور ایک منصوبہ ترتیب دیا۔ وہ تیزی سے گھر کے باہر بھاگ۔

تریب کی دکان سے اس نے دودھ کا پیکٹ خریدا، گھر واہیں آیا۔ سفید ملی چارپائی کے پائے سے گلی بیٹھی تھی۔ چکرم نے باورچی خانے سے ایک پیالا انعامیا، پیکٹ کھول کر دودھ پیالے میں ڈالا، جیب سے ایک پڑیاں کالی، کھول کر اس کا پاؤڑ دودھ میں مایا اور دودھ سے بھرا پیالا سفید ملی کے سامنے رک دیا۔

دودھ دیکھ کر دانہ کھڑی ہوئی اور پھر تیزی سے دودھ میں منہ ڈال کر اسے پینے لگی۔ ملی کو دودھ پینے دیکھ کر چکرم کی اکتوپی آنکھ میں نشہ بھر گیا۔

تو قع کے مطابق سفید ملی دودھ پینے کے بعد پانچ منٹ کے اندر مدھوش ہو گئی۔ اب یہاں تھہرنا بے کار تھا۔ اس نے دودھ کا خالی پیالا انعامیا، اسے نکال کھول کر پانی سے اچھی طرح دھریا، باورچی خانے میں اسی طرح رکھ دیا جس طرح رکھا تھا، دودھ کا خالی پیکٹ انعاماً کر باہر آیا۔

چکرم نے اپنے پاس موجود ایک کپڑے کے تھیلے میں بے ہوش پڑی ملی کو ڈالا، خالی پیکٹ بھی اسی میں رکھ دیا اور تمیاً انعاماً کر گھر سے چل دیا۔ چکرم نے اپنے جنم کا کوئی ثبوت پہنچنے نہ چھوڑا تھا۔ ملی بے ہوش تھی، اس لئے اس کے تھیلے سے باہر آنے کا کوئی امکان نہ تھا۔

گھر پہنچ کر اس نے تمیاً اپنے بیڈ پر رکھا اور پھر اسے انعاماً کر رکھا۔ اس کا خیال تھا کہ ملی ابھی وہ پندرہ منٹ سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گی۔ ممکن ہے ایسا ہی ہوتا ہے لیکن اسی وقت مائی پنکھی نے اس کا ہاتم لے کر پکارا..... ”انجو۔“

دہڑبردا کر انھی بیٹھی۔ اس نے اپنی سرخ آنکھوں سے چکرم کو دیکھا۔ غمے سے ”میاڑیں“ کی آواز نکالی اور بیڈ سے نیچے چلا گئے گانے کو تھی کہ چکرم کو چکر آگیا۔ ایک تھیتی ملی کو ہاتھ سے لٹکتے دیکھ کر اس نے لپک کر درازہ بند کر دیا اور ملی کی طرف بڑھا۔

اس سے قل کر دیکھ پاتا، اس نے بیڈ سے چلا گئے گانے کو کر کیا کرنے والی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ چلا گئے گانے کو کر کیا کرنے والی ہے۔ اس کی پہنچ سے دور ہونے کے لئے الماری پر جست لگ کر خود کو مخفوظ کر لے گی۔

لیکن اس نے ایک ایسا کام دکھایا کہ چکرم کے حواس باختہ ہو گئے۔ ملی نے چکرم کے چہرے کو نشانہ بنایا اور اس قدر پھرتی اور چاکبدتی سے پنجہ مارا کہ اس کی آنکھ شدید لہو بہان ہو گئی۔ وہ آنکھ پر ہاتھ رکھ کر بیڈ پر بیٹھا۔ اتنے میں سفید ملی کھڑکی پر چڑھی اور باہر کو گئی۔ یہ دو قت تھا جب مائی پنکھی نے کچھ پڑھتے ہوئے جلتی لکڑی زمین پر پاری تھی۔ تب انجو چھپتے سے کوئی اس کے سامنے آئی تھی۔ انجو کا ایک پنجھ خون آلود تھا اور آنکھوں میں چکرم کی تصویر نظر آری تھی۔

مائی پنکھی کو معلوم ہو چکا تھا کہ انجو کو کس نے انہوں کیا تھا اور وہ اس کا کیا حشر کر کے آئی ہے۔ مائی پنکھی نے اسے پیار بھری نظر دیں سے دیکھا اور بولی۔ ”وادری انجو..... تو نے کیا خوب کمال کیا۔“

مائی پنکھی حصار سے نکل آئی اور چارپائی پر آ کر بیٹھ گئی۔ انجو اس کے قدموں میں لوٹنے لگی۔

”انجو۔ میں بھوکی ہوں۔“ مائی پنکھی نے چارپائی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے حصار میں موجود لکڑی انعامی کو ادا کر رکھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے باورچی خانے میں پہنچ کر دوبارہ آٹھ بھڑکا کی اور

چھڑی پر بیٹھ کر انجو کا انتشار کرنے لگی۔

چھوڑی میں بندیا میں موجود سیاپ مکملوں میں اب اس آگیا تھا اور انجو منہ میں کواد بائے دروازے پر موجود تھی۔

☆.....☆.....☆

پائے پینے کے بعد ڈاکٹرنو شاد نے بابر کا ہاتھ پکڑا اور بولا۔ ”آؤ بیٹا۔“

عا بر فور آئی تھی گیا۔ ڈاکٹرنو شاد اسے ڈرائیکٹ روم میں لے آیا جبکہ گھر کے دیگر افراد ڈائیکٹ روم میں بیٹھ رہے گئے۔ عابر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ڈاکٹرنو شاد اسے اچاک مغلل سے کیوں انعاماً کر لایا ہے۔ وہ اچھا خاصا ملکہ کے حسن سے اپنے دل کا قرار کشید کر رہا تھا۔ ملکہ بھی گاہے گاہے ٹکیں انعاماً کر گھری نظر دیں سے اسے دیکھ لیتی تھی۔ کہنیں ایسا تو نہیں کہ ڈاکٹرنو شاد نے اس کی نظر دیں کی چوری کو کپڑا لیا اور اب وہ علیحدگی میں اسے سمجھانا یا تنبیہ کرنا چاہتا تھا۔ عابر نے سوچ لیا تھا کہ اب چاہے جو بہو، وہ کسی طور ملکہ سے دستبردار نہیں ہو گا۔

دہاں معاملہ ہی کھو اور نکلا۔ ڈاکٹرنو شاد نے جوبات کی، دہاں بھائی خوش کرن تھی۔ اس نے ڈرائیکٹ روم میں بیٹھتے ہی عابر کی طرف سکرا کر دیکھا اور باہم بید بولا۔ ”بیٹا..... میں چاہتا ہوں کہ تم اس گھر کے داماد بن جاؤ۔“

یہ تو نیک اور پوچھ پوچھ والا معاملہ تھا۔ عابر تو پہلے ہی ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ یہ سنتے ہی اس کے سونے میں لذ و پھونٹنے لگے۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔ ”اُنکل! یا آپ کی ذرہ نوازی ہے۔“ ”ایک بات اور تم سے کہنا چاہوں گا کہ اس گھر میں سات بیٹاں ہیں، تم جس کو پسند کر دے گے، وہ تمبارے نکاح میں دے دی جائے گی۔“ ڈاکٹر نو شاد نے بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ عابر کے لئے اب کوئی مشکل نہ ہی تھی۔ اب سبک و جن مراضی سے گزرا تھا، ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ ملکہ سے بطور خاص اس کا فنا صدر برقرار رکھنا چاہتے تھے لیکن ڈاکٹر نو شاد کے اس بیان نے اس ”ذلی“ کو جو بہت درنظر آتی تھی، اچاک قریب کر دیا تھا لہذا اس نے بالآخر انتہائی صاف گوئی سے کہا۔ ”اُنکل! مجھے ملکہ پسند ہے۔“ ”نمیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ ڈاکٹر نو شاد نے درخواست منکر کرنے میں ذرا دیرینہ کی۔ پھر کچھ توقف کے بعد دبولا۔ ”اب میں چاہوں گا کہ تم اپنے والدین کو اس رشتے کے لئے سمجھو جو۔“

”جی اچھا۔“ عابر نے تفکر آمیز لمحہ میں کہا۔ ”میں گھر جاتے ہی اپنی ایسے بات کروں گا۔“ اور جب رات کے کھانے پر عابر نے ذرتے ذرتے نازمیں اعلیٰ شارے سے میطہب ہو کر دیمرے سے کہا۔ ”آئی، ابو۔ میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ تو یہ سن کر علیٰ شارے میں نوال رکھنا بھول گئے اور نازمیں کے ہاتھ سے چچپھوٹ گیا۔

”کیا.....؟“ دنوں نے بیک وقت کہا۔

”ابو۔ آپ چل کر ان لوگوں سے مل لیں۔“ عابر نے ان کی حیرت کو نظر انداز کر کے کہا۔

”وہ کون ہے تو فوج لوگ ہیں جو جمیں یعنی دے رہے ہیں؟“ علیٰ شارے کے لیکھ میں تھی ذرائعی۔

”ابو۔ وہ بہت اچھے لوگ ہیں، انہیں بے تو فوج نہیں۔“ عابر نے حمایت کی۔

”کیا وہ یہ بات جانتے ہیں کہ تم ایک گھنٹوں کے ہو۔ کوئی نوکری، کوئی ملازمت تمبارے پاس نہیں۔ ایک بے روزگار شخص کو وہ کیسے اپنی بیٹیوں کے رہے ہیں۔ ضرور لڑکی میں لکھن ہو گا۔“ علیٰ شارے جو کہا، نمیک کہا۔

”ابو۔ لڑکی میں نے دیکھی ہے، وہ بہت خوبصورت ہے اور کافی طالب ہے، اس میں کوئی لفظ نہیں۔“ عابر نے بتایا۔

”عابر۔ ضرور کھو دال میں کالا ہے۔“ نازمیں نے کہا۔ ”ابھی شادی کے چکر ویں میں نہ پڑو بیٹا، کچھ کام وام کرو۔“

”ای۔ آپ ایک بار ان لوگوں سے جا کر مل تو لیں۔“ عابر نے کہا۔

”میں تو جانے کے لئے تیار نہیں، تمبارے اس جانا چاہے تو لے جاؤ۔“ علیٰ شارے نے فصل کن انداز میں کہا۔

”ای ابو۔ آپ دنوں کو چلتا ہو گا۔ میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ آپ لوگ رشتہ مانگنے آئیں گے۔“ عابر نے سمجھانے کی کوشش کی۔

”ابنی لوگ ایک بے روزگار کے کو شہزادے ہیں پر رضا مند ہیں تو کبھی لینا پاہنے کہ اس کے پیچھے ضرور کوئی گول مال ہے۔ میں کسی قیمت پر نہیں جاؤں گا۔ تم ایسا کرو بیٹا۔ جا کر گمراہ داد دین جاؤ۔“ علیٰ شارے اتنا کہہ کر رہا تھا نہیں سے اٹھ گئے۔

عابر نے اپنی ماں کی طرف دیکھا تو نازمیں نے بہت صاف لمحہ میں کہا۔ ”تمبارے اپنے نمیک کہتے ہیں۔“

”پھر آپ میرا نیمہ بھی سن لیں۔ اگر آپ لوگ نہ گئے تو میں یہ گھر چھوڑ دوں گا۔“

”تم نے اچھا کیا کہ خود گھر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں تمبارے گھنٹوں سے سمجھا۔“ میں یہ بات خود تم سے کہنے والا تھا۔ تم خوشی سے یہ گھر چھوڑ دو، ابھی اسی وقت۔“ علیٰ شارے نے تو لیہ سے ہاتھ پوچھتے ہوئے کہا۔

عابر کی یہ بات سن کر نیک ہو گئی۔ اسے ہرگز امید نہ تھی کہ علیٰ شارے کی ممکنی کو اس قدر سمجھی گئی۔ اسے وہ کسی قیمت پر یہ برداشت نہیں کریں گے کہ وہ گھر چھوڑ دے لیکن اس وقت تو معاملہ اتنا کیسی ہو گی تھا۔

اب اسے ہر قیمت پر گھر چھوڑنا تھا۔ ملکہ کی کش نے اس فیلے پر عمل درآمد کو آسان بنایا اور وہ بلا سوچ سے سمجھے گھر سے نکل گیا۔

رات کے بارہ بجے جب عابر، ڈاکٹر نو شاد کے گھر پہنچا تو گھر میں کھلی بیچ گئی۔

”بیٹا۔ خیریت تو ہے؟“ ڈاکٹر نو شاد نے گیٹ کھول کر اس سے پوچھا۔

”اُنکل۔ میں گھر چھوڑ آیا ہوں۔“ عابر نے بڑے ساٹ لمحہ میں کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ یہ گھر بھی تمبارے ہے۔“ ڈاکٹر نو شاد کی بات سن کر عابر کے ہرز کتے دل کو قرار آیا۔

”میری اُنکل۔“ عابر نے مطمئن لمحہ میں کہا۔

ڈاکٹر نو شاد اسے اندر لے آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سب لوگ لا دن میں اکٹھا ہو گئے۔ ملکہ سمیت سب کی خوشی دیدنی تھی۔ عابر بھی خوش تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ آئندہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

نی الحال تو یہ: واکر اگھے دن، رات کو دگواہوں کی موجودگی میں گھر پر ہی نکاح کر دیا گیا۔ شاستہ اور ملکہ جس کرے میں رہائش پر تھیں، وہاں سے شاستہ کو نکال دیا گیا۔ رات کو جب عابر ”جملہ عردی“ میں داخل ہوا تو اسے یقین نہ آیا کہ جو کام اسے اتنا کی ملکہ کی نظر آ رہا تھا، وہ پلک جھکتے میں بو گیا تھا۔ کسی مرد شاطر نے ”ملکہ سبا“ کوئی بیڈ اس کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔

وہ مرد شاطر کوئی اور نہیں، لڑکی کا باپ ڈاکٹر نو شاد تھا۔

نام ایسا اچھا۔ ملکہ اتنا کی ملکہ اور کرتوت یکدم سیاہ۔ عابر کے بارے میں اسے امید نہیں تھی کہ وہ اتنا آسان ناگرث بابت ہو گا۔ وہ تو کسی کچھ پہل کی طرح اس کی جھوٹی میں آگرا تھا۔ سر، داد دوں خوش تھے۔ دنوں اپنی جگہ مطمئن تھے۔ دنوں کو اپنی منزل تک پہنچا آسان لگا تھا۔ عابر تو بے اتنا خوش تھا۔ جو چیز اسے چوبیں سال میں بھی حاصل ہوتی نظر نہیں آئی تھی، وہ چوبیں سمجھنے میں حاصل ہو گئی تھی۔

کرے میں داخل ہونے کے بعد عابر نے دروازہ بند کیا اور وہیں کھڑا ہو گیا۔ بیند پر ملکہ بیر بھوٹی کی صورت موجود تھی۔ اس کا سر جھکا تھا اور سرکزی کمی تھی تھی۔ دروازہ بند ہونے کی آواز پر اس نے ذرا سا اپنے سر کا غما یا تھا اور پھر جھکا لیا تھا۔

عابر آنکھوں میں خواب سجائے کسی قلمی بیروت کے انداز میں بیند کی طرف بڑھا۔ اس نے بلند آواز میں سلام کیا اور ملکہ کے نزدیک بیند پر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر نو شاد نے اسے اس گھر کا داد بنتے کی دعوت دی تھی لیکن وہ ”گھر داد“ بن گیا۔ اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ وہ ملکہ سے غالی ہاتھ نکل آیا تھا۔ اس نے اپنے کپڑے سکن نہ اٹھائے تھے۔ باپ نے اسے گھنٹوں کا تھا اور ملکہ سے نکل جانے کی ہدایت کی تھی۔ وہ اپنی آنکھیں گھر کی کوئی چیز اپنے ساتھ نہ لایا تھا لیکن یہاں اسے بہت کچھ میں کھلتے تھے۔

کرے میں آنے سے پہلے شاستہ نے اسے ایک چھوٹی پیٹلی ڈیا گئی تھی جس میں ہونے کی آنکھی تھی۔ وہ شرمند تھا۔ جو کام اسے کرنے چاہئے تھے، وہ سرال کے لوگ کر رہے تھے۔ اس نے ایک نظر سر جھکا لیے ملکہ کو دیکھا اور پھر دوں ہاتھوں سے بہت دیرے سے گھونٹھا۔ گھونٹھا لئے ہی روشن کر دیا گیا۔ یکدم بھلی سی چمکی جو اس کی آنکھوں کو



”آج کل تم میرے سامنے ہوتے ہوئے بھی سامنے نہیں ہوتی۔“

”چہرکیاں ہوتی ہوں؟“ ملکہ نے اسے ترجیحی نظر دیں سے دیکھا۔

”میں نہیں جانتا۔“ عابر کے لمحہ میں دکھست آیا تھا۔

”شادی کر کے پچھتا تو نہیں رہے؟“ ملکہ نے پوچھا۔

”پچھتا تو نہیں رہا بالبہت پریشان ضرور ہوں۔“

”یاد ہے ایک دن جب آپ نے مجھ پر مریٹنگ کی بات کی تھی تو میں نے کیا کہا تھا؟“

”کیا کہا تھا؟“ اسے یاد تو آگئی تھا میں وہ اس کی زبان سے سنتا پا تھا۔

”میں نے کہا تھا کہ مجھے جانے نہیں مرے..... یاد آیا۔“ ملکہ نے گلے سے لاکٹ ٹھال کر ڈبے میں رکھا۔

”ہاں یاد آیا۔“ اس نے ایک گمراہ اس لیا۔

”جباب میں آپ نے کہا تھا۔ اب کیا جانتا، جیسی بھی ہو، میری ہو..... یاد آیا۔“ وہ تھی ذہنی میں رکھ کر واپس چل گئی۔

”ہاں یاد آیا۔“ عابر نے اقرار کیا۔

”تو پھر اب پریشان نہ ہوں، آپ کی ہوں، آپ کی ہوں۔“ ملکہ کسی خوشبو کی طرح اس پر چھاتے ہوئے بولی۔

چند ٹھوں کیلئے عابر اپنا آپ بھول گیا۔ جب خوبی پر جھوٹ پاس سے گزر گیا تو وہ حواس میں آیا۔ اس نے ملکہ کو واش روم کی طرف بڑھتے دیکھا۔

”پچھیں ملکہ، مجھے جانے کیوں ایسا لگتا ہے کہ سب کچھ بد رہا ہے۔“

”پچھیں بدلنا غایر۔ آپ پریشان نہ ہوں، یہ نوکری میں آپ کے لئے کہا جائے ہوں، جس طرح چاہیں عیش کریں۔“ ملکہ نے واش روم جاتے جاتے پہنچ کر کہا اور پھر واش روم میں جا کر دروازہ کھلا کے بند کر لیا۔

عابر کو اس کی یہ بات عجیب سی لگی۔ اس پر یکدم مکشف ہوا کہ وہ کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ اپنا گھر چھوڑ کر گھر را مادہ بنا اور اب وہ یہی کی کمائی کھانے والا ہے جیسا تھا۔ اگر وہ خود نہیں بنا تو باریا گی تھا۔

اس کی محبت اپنی بھی تھی۔ وہ نہیں بدلتا تھا لیکن ملکہ وہ نہیں رہی تھی، ان کے درمیان کوئی آگیا تھا۔ جب ملکہ واش روم سے کپڑے تبدیل کر کے فرشیں دکھانے کا بارٹنی تو عابر نے سوال کیا۔ ”یہ لاکٹ تمہیں کس نے دیا؟“

”کیا آپ نہیں جانتے؟“ ملکہ نے بے نیازی سے پوچھا۔

”جاننا تو پوچھتا کیوں؟“ عابر بولا۔

”میرے بائیں نے۔“ ملکہ نے اسے بخورد کیکھتے ہوئے کہا۔

”تم اس کی پرسنل سکریٹری ہو..... یا پرسنل ہو گئی؟“ عابر کے لمحہ میں تھنی رہ آئی تھی۔

”مجھے نہیں معلوم کر کیا بن گئی ہوں۔ اتنا جانتی ہوں کہ جوئی ہوں، اپنی مرثی سے نہیں ہوں۔“ ملکہ نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

عابر کو اس وقت بڑی بھروسی دکھائی دی، مضمومی۔۔۔ یکدم اسے اس پر پار آگیا۔ اس نے اسے تربیت کرتے ہوئے پر اسید لبکھ میں کہا۔ ”پریشان مت ہو، سب نیک ہو جائے گا۔“

عابر کو قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ اس گھر میں ہو دکیرا ہا۔ قا۔ ذا کمر نو شادی کا محلہ کھیل رہا تھا۔ پورا گھر اس کے اشارے پر چاہتا تھا اور عابر کو خود معلوم نہ تھا کہ وہ کس کے ہاتھوں کوئی پانچی بنا ہوا ہے۔

ایک دن عابر، ملکہ کے آفس کے نزدیک سے گزر رہا تھا تو یکدم خیال آیا کہ کیوں نہ ملکہ کا آفس دیکھتا ہے۔ چاہتا تو وہ اسے فون کر کے اپنی آمدکی اطلاع دے سکتا تھا لیکن اس نے خاموشی سے جانا مناسب سمجھا۔ ملکہ کو سر پر اسزوں بیٹھا جا با۔

اس نے آفس میں داخل ہو کر استقبالی پر بھی لڑکی سے ملکہ کے بارے میں پوچھا۔ اس لڑکی نے دفتر کے آخر میں اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ اس کرنے میں رہنا کے ساتھ بھی تھیں۔

عابر نے دروازے پر پہنچ کر لکھی اسی دستک اور پہنڈل دبا کر دروازہ کھول دیا۔ کرے میں کوئی نہ تھا، ملکہ تھی نہ رہی۔ کرے میں البتہ دیمیزیں ضرور نظر آرہی تھیں۔ چھوٹی میز غالی تھی، اس پر کچھ زندگی بڑی میز پر فانکوں کے ساتھ ایک کپیڈر بھی موجود تھا۔ ان میزوں کے سامنے ایک اور دروازہ تھا۔

عابر سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کرے۔ سوچا دلہ جائے اور استقبالی پر بھی لڑکی کو بتائے کہ کرے میں کوئی نہیں ہے۔ پھر ایک لمحہ کو خیال آیا کہ سامنے بند دروازے کے اندر کیوں نہ جماں کے۔

جب رہنا واش روم سے باہر لگا تو اس نے کسی کو فراز ایس کے کرے میں داخل ہوئے دیکھا۔ یہ دیکھ کر اندرونی سے اس کے حواس میں بوجھے ہو گئے۔ وہ جانی تھی کہ دفتر کا کوئی آدمی اس کی اجازت کے بغیر اندر نہیں جا سکتا تھا۔ پھر یہ کون اندر گیا؟

اسے یہ بات بھی معلوم تھی کہ فراز ایس کے پاس اس دست کو ہے؟ یہ کیا غصب ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف پڑھا۔

عابر نے اندر واٹھل ہو کر جو منظر دیکھا، وہ کسی قیامت سے کہر نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

”کوئے کی بھنی“ پینے کے بعد ملکہ پیغمبھی پنچار چھا جاتا تھا۔ چہرے پر سرفی آبائی، جھریاں ملنے تھیں۔ کوئے کو بکا کے ہوائے کرنے کے بعد اس نے دروازہ بند کر کے پتھر گیا اور چار پائی کی طرف بڑھی۔ انجو کرے میں جا چھکتی تھی۔ اس نے اپنے گئے میں پڑے

چاندی کے توبیہ کو چھوڑا، کچھ بڑھائی اور توبیہ کو چھوڑ کر ایک ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیا۔ کچھی دیر میں اس پر گہری نیند طاری ہو گئی۔

جب اس کا نشہ نہ تھا تو شام گھری ہو رہی تھی۔ نہ کی خلک چیزوں سے چار پائی اور اس کا جسم ڈھکا ہوا تھا۔ وہ ایک جھکٹے سے اٹھ بھنی۔ اسے یوں لگ جیسے دروازے پر کوئی ہے۔ وہ انھیں دروازے کی طرف بڑھا۔

مالی پیغمبھی نے پتھر ہٹا کر دروازہ کو کھول دیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی آگ ہوا ہو گئی۔ اس کے منڈے سے غصے گھری آواز لگی۔ ”تو.....“

چکرم کی آنکھ پر پہنی بندھی تھی۔ آنکھ پر رکھی ہوئی خون آلو تھی اور وہ دخت کرپ میں بھلا کھا۔ ملکہ پیغمبھی کی آواز کن کھنک اندازے سے وہ اس کے قدموں میں جھکا اور اس کے پکڑ کر پینچھے گیا۔

”رانی جی..... مجھے معاف کرو۔“

”اسکی ذمیں حرکت..... تو نے آخ کیا سوچ کر انہوں کو خواہ کیا؟“ ملکہ پیغمبھی بولی۔

”جو کیا..... اس کی سرزنا پائی۔“ چکرم نے پاؤں پکڑے پکڑے کہا۔

”اب پھر یہاں کیوں آیا ہے؟“ ملکہ پیغمبھی نے پوچھا۔

”آنکھ سے خون جاری ہے اور شدید تکلیف میں ہتلہا ہوں۔“

”تو پھر اپٹال جا، میرے پاس کیا لیجئے آیا ہے۔“ ملکہ پیغمبھی نے ایک جھکٹے سے اس سے اپنے پاؤں پھر لائے۔

”اپٹال سے ہی پٹی کر دے آرہا ہوں۔“ چکرم نے تایا۔ ”رانی جی، مجھے معاف کرو۔“ میں اب کبھی ایسی حرکت نہیں کر دیں گا۔“

”آندھہ تو اس طرح کا کام نہیں کرے گا۔“ ملکہ پیغمبھی نے عبد لیا۔

”میں کبھی ایسا نہیں کر دیں گا۔“ اس نے فوراً عبد کیا۔ ”رانی جی! مجھے اس تکلیف سے نجات دلوادیں۔“

”آنکھ سے پٹی بننا۔“ ملکہ پیغمبھی نے حکم دیا۔

چکرم اس کی بات سن کر بے حد منون ہوا۔ وہ اندازے سے اس کے قدموں میں بینچے گیا۔ ”رانی جی، آپ بہت غلبیم ہیں۔“

”اچھا چل، اب فوراً فٹھوں ہو جائیں۔“ ملکہ اس کے قدموں سے کہنیں ایسا نہ ہے کہ ملکہ اس پر کھلے بدل دوں۔

”انھی ملکہ پیغمبھی یہ کہہ دیتی کہ اچھا ہے کہنیں سے ان جنود اور ہوئی۔ وہ اپنے انگوں پاؤں پھل کر جھکتے ہوئے وہی تھی کہ ملکہ زور سے جھینی۔ ”نہیں انھوں.....“

”تو ایسا کر کے لوگ کا سر مدد کا لے، یہ خون فڑا ک جائے گا اور تیری پڑنے کی بھی بحال ہو جائے گی۔“ ملکہ پیغمبھی کو شدید غصہ تھا۔ اگر اس کی ان جنود کو کہنیں کی نہ رہتی۔ ان جو اس کے لئے بہت اہم تھی، اس کا قیمتی سر برائی تھی۔ اس نے ان جنود سے بھٹکوں سے پایا تھا۔ ایک طرح سے ان جنود کی جان تھی اور یہ نہیں اس کی ”جان“ لے اُز اتھا۔

چکرم اس کی بات سن کر بے حد منون ہوا۔ وہ اندازے سے اس کے قدموں میں بینچے گیا۔ ”رانی جی، آپ بہت غلبیم ہیں۔“

”اچھا چل، اب فوراً فٹھوں ہو جائیں۔“ ملکہ اس کے قدموں سے کہنیں ایسا نہ ہے کہ ملکہ اس پر کھلے بدل دوں۔

”انھی ملکہ پیغمبھی یہ کہہ دیتی کہ اچھا ہے کہنیں سے ان جنود اور ہوئی۔ وہ اپنے انگوں پاؤں پھل کر جھکتے ہوئے وہی تھی کہ ملکہ زور سے جھینی۔ ”نہیں انھوں.....“

اس وقت تک وہ زندگی تھی۔ اب خود کو رکنا اس کے اختیار میں نہ رہا تھا۔ اب تا اپنے بھروسہ بوا کر کالے منہ کی سفیدی میں نے اس کا روائی سے خود کو دکلایا جو دکرنے والی تھی۔ اس کا شانہ چکر کی خون بہانی آئکی تھی۔ وہ اس آئکو باہر نکال دینا چاہتی تھی۔ یہ کام وہ چکر کے گھر پر ہی انجام دے دینا چاہتی تھی لیکن ماں چکمی کے حکم نے اسے ایسا نہ کرنے دیا۔ اور اب بھی ماں چکمی کی تنبیہ آزے آئی تھی۔ انتقام کی حضرت اس کے دل میں رو گئی تھی۔

انجو، چکر کے سر پر گردی تھی۔ اگر وہ بکلی ہوتی تو چکر جل کر راکھ بوجاتا لیکن وہ بکلی نہ تھی لمبی لمبی تھی، ہذا اکھیا کر اس کے بال نوج کر رہ گئی۔ پھر اس نے اس کے سر سے چھلامگ لگائی اور دوڑتی ہوئی کرے میں چلی گئی۔

”حرام کی اولاد۔ تیری قست اچھی تھی کہ تو نجھ میا۔“ ماں چکمی غمے بھری آواز میں بولی۔ ”اس سے پہلے کہ وہ پھر پلت کر آئے تو یہاں سے دفع بوجا۔“ چکر خوفزدہ ہو کر فوراً کھڑا ہو گیا اور ہاتھ پھیلا کر دروازہ ڈھونڈتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد ماں چکمی نے گھر کا دروازہ بند کیا۔ کواز کے یہچے پھر رکھا اور مگن میں پڑی چار پائی پر آ کر پیٹھی گئی اور زور سے آواز لگائی۔ ”انجو۔“

اندر کرے میں فرش پر لیٹی ہوئی انجو نے ماں چکمی کی آواز سنی لیکن وہ لش سے مس نہ ہوئی۔ ماں چکمی کی ایک آواز پر جب انجو باہر نہ آئی تو اس کا ماتھا نہ نکلا۔ اس نے پھر آواز لگائی۔ ”انجو۔ باہر آ۔“

انجو نے اس کی آواز سنی لیکن طرح دے گئی۔ اس نے اپنے اگلے پاؤں پسارے اور آنکھیں موند لیں۔ ماں چکمی نے کچھ دیر اس کے آنے کا انتظار کیا۔ جب وہ باہر نہ آئی تو اسے یہ اندازہ کرنے میں درینہ لگی تھی کہ انجو زدنہ گئی ہے۔ ماں چکمی ایک جنکے سے چار پائی سے انھی اور تیز قدموں سے کرے میں چلی گئی۔ اس کرے میں ایک بیڈ پڑا تھا۔ ایک لوہے کی الماری تھی۔ اس کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ انجو الماری کے سامنے فرش پر پاؤں پھیلائے لیٹی تھی۔ اس کی سرخ آنکھیں بند تھیں۔ ”انجو تجھے کیا ہوا؟“ ماں چکمی، انجو کے پاس زمین پر بیٹھ گئی۔

انجو نے اس کی بات سنی لیکن وہ بیلی تک نہیں اور نہ ہی اس نے آنکھیں کھولیں۔ ماں چکمی نے اسے بڑے پیار اور احتیاط سے زمین سے اٹھایا اور بیڈ پر لٹا دیا اور اپنے گلے میں پڑے تعویذ کو گلے سے نکالا اور کچھ پڑھتے ہوئے اس کے جسم پر پھیرا اور پھر پیٹھ موز کر کھڑی ہو گئی۔

کچھ دیر کے بعد ماں چکمی کے گانوں میں رو نے سکنے کی آواز آئی۔ اس نے پلت کر دیکھا تو انجو کو روتے ہوئے پاپا۔ وہ اندھی لٹھی ہوئی تھی میں منہ دینے سک رہی تھی۔



"یہ تو بہت براہوں۔" چاندنی افسر وہ بوکر بولی۔

"بال۔ ای۔ دو بے تصور مارا گیا۔"

"ڈشادیں کر آج کس بات پر غصہ آگیا۔" چاندنی نے سوال کیا۔

"ابوکی ناطہ بیانی پر..... شادی شد، بوکر کواری کیوں ظاہر کیا۔" ملکہ نے بتایا۔

"تو نکرت کر۔ ڈاکٹر صاحب کے پولیس کے انٹی افراں سے تعقات ہیں۔ وہ کھڑے گھڑے عابر کو تھانے سے لے آئیں گے۔" چاندنی نے تسلی آئیز بیجھ میں کہا۔ "میں

انہیں جا کر ساری بات بتاتی ہوں۔ نمیک ہے۔"

"میں ای۔" ملکہ نے کہا۔

جب چاندنی ڈرائیور میں پہنچی تو مہماں جاچکا تھا۔ اس نے ڈاکٹر نو شاد کو دیکھا اور جو کچھ واپسی ہی سے سنا تھا، وہ ڈاکٹر نو شاد کو بتا دیا۔

"اچھا۔" ساری بات سن کر ڈاکٹر نو شاد کے جسم میں بکلی ہی مجرمی۔ اس نے میز پر کھاہو اور موبائل اخایا اور کسی کو فون کرنے لگا۔

جب وہ متعلقہ تھانے پہنچا تو ایس ایچ اور اپنے کرے میں موجود تھا۔ ڈاکٹر نو شاد کو بے در ہڑک کرے میں داخل ہوتے دیکھ کر ایس ایچ اور اس کو یہ اندازہ لگانے میں درینہ لگی کہ

وہ کوئی اپنی چیز ہے، اس لیے اس نے ڈاکٹر نو شاد کے چہرے پر نظر ہماتے ہوئے کہا۔ "میں فرمائیے۔"

ڈاکٹر نو شاد جو کرے میں داخل ہوتے ہی موبائل پر صرف بول گیا تھا، اس نے ایس ایچ اور کسی فرمائی۔ کال مٹے پر اس نے اس اتنا کہا۔ "سر، میں ایس

ایچ اور صاحب کے کرے میں آگیا ہوں۔"

اوھر سے کہا گیا۔ "انہیں ہواں دیں۔"

"میں اچھا۔" ڈاکٹر نو شاد نے موبائل ایس ایچ اور اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "سر..... ایس پیش قیمت راجپوت آپ سے مطابق ہوتا چاہے ہے۔"

شیق راجپوت کا ہام سن کر ہاسکری جان نکل گئی۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس سے کہاں غلطی ہوئی ہے۔ موبائل کا ان سے لگاتے ہی رعب دار آواز سنائی دی۔ "ایس ایچ اور

ہام..... مجھے فون کریں ذرا۔"

ہام نے اپنی یہندڑائی سے شیق راجپوت کا نمبر ڈال کیا۔ اب کسی جھلی کاں کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ شیق پاہتا تو ڈاکٹر نو شاد کے موبائل کے ذریعے احکامات دے سکتا تھا لیکن

وہ چاہتا تھا کہ نا صرکی بیک دشہر میں جتنا زار ہے اور شبہ خیر کا سبب نہ بنے۔

"میں سر..... حکم۔" ایس ایچ اور ہام نے لائیں لٹتے ہی مود باندھے ہیں کہا۔

"نا صر صاحب..... یہ تائیں کسی شہر کا اپنی بیوی سے اس کے دفتر جا کر ملنا کیا قابلی تحریر ہے۔" شیق راجپوت نے ہرے نہ سکون انداز میں سوال کیا۔

"ہرگز نہیں سر۔" ہام صراحتی بیک اس سوال کی وجہ تک شیق کا تھان۔

"آپ نے کسی عابر تاریخ لڑکے کو گرفتار کیا ہے۔"

"میں سر۔" ہام نے مری بولی آواز میں کہا۔ اب وہ معلمہ کی وجہ تک شیق گیا تھا۔

"ہبنا پسند کریں گے کس جرم میں؟" شیق راجپوت نے پوچھا۔

"سر وہ..... سر وہ۔" کوئی اور ہوتا تو وہ بڑھ کر جواب دیتا۔ "اندام قتل کے جرم میں۔" لیکن ہیاں سامنے ایس پی تھا۔ بھلا دائی سے بھی بھی ہبھت چھپا ہے، پھر چھپا نے کا

فائمو۔

"میں بتا دیا ہوں۔ تم نے اندام قتل کے اڑام میں اسے گرفتار کیا ہے اور اکثر قتل بھی برآمد کر دادیا ہے، اور یہ کام تم نے دشادیں پیش کیے جو اس کی خواہیں پر کیا ہے۔ اب

میں چھبیس حکم دیتا ہوں کہ اس معلوم لڑکے کوئی انور چھوڑ دادی جو رقم تم نے دشادیں پیش کیے جو اس سے لی ہے، وہ جا کر اس کے منہ پر مار آؤ، اور اسے میری طرف سے پیغام دیتا کہ وہ دفتر میں

بینچ کر جو کچھ کرتا ہے، ہمیں اس کا اچھی طرح انداز دے۔ بہتر ہو گا کہ وہ عیاشی کا ملکانہ بدال لے ورنہ میدیا کے ساتھ چھاپ پڑاتے بینچ دیز نہ لگے گی۔ ایس ایچ اور اس کیا تم نے

میری بات سمجھی۔" شیق راجپوت نے جواب کا سوتھ فراہم کیا۔

"میں سر..... میں سمجھ گیا، اچھی طرح سمجھ گیا۔ آپ بے شکر ہو جائیں۔" ہام نے جلدی سے کہا۔

"اور دیکھو۔ اس لڑکے سے معافی ملتا ہے جو ملکا۔ تم نے اس معلوم لڑکے کے ساتھ بہت قلم کیا ہے۔ اس وقت سے ڈرد جب تھارے بیٹے کے ساتھ کوئی ایسا یہ قلم

کرے..... اور کے۔" شیق راجپوت نے فون بند کر دیا۔

رسیور کی کہ ہام نے گہر اور خشنہ سانس لی۔ طوفان خش گرج چک کے ساتھ گزر گیا تھا۔ اس نے بوس کر کوئی نہ صرانہ نہیں پہنچا یا تھا۔ وہ دوڑا یکشن میں آگیا۔ پہلے اس نے

ڈاکٹر نو شاد سے پوچھا۔ "محترم دلڑک آپ کا کیا ہے؟ کیا بینا۔"

"وہ میرا بیٹے جیسا دادا ہے۔"

"پہلے تو میں آپ سے مددوت چاہتا ہوں۔ میں کسی ناطہ نہیں کا ٹھکر بوجیا تھا۔ میں آپ کے دادا سے بھی معافی چاہوں گا۔" یہ کہہ کر دادا خدا۔ "میں اسے لے کر آتا ہوں۔"

نادر کو آزاد ہونے میں پانچ منٹ سے زیادہ نہ لگے۔ ڈاکٹر نو شاد، نادر کو لے کر تھانے سے نکل آیا۔ عابر نے دفتر میں جو کچھ دیکھ لیا تھا اور اس کے ساتھ جو کچھ

ہوا تھا، وہ کسی غیرت مندانہ انسان کے لیے ڈوب مرنے کے سڑاک تھا۔ ڈاکٹر نو شاد کی بھی میں نہیں آرہا تھا کہ وہ عابر سے کیا کہے اور کس طرح کہے۔

گھری کے قریب ہجت کر ڈاکٹر نو شاد نے فرنٹ سیٹ کا دراز و کھولا اور اپنے لہجے میں سارے جہاں کی محنت بھر کر بولا۔ "آؤ بینا..... گھر چلیں۔"

جواب میں عابر نے دوڑک انداز میں جو کچھ کہا، وہ ڈاکٹر نو شاد کے بوش اڑا دینے کے لیے کافی تھا۔

☆.....☆.....☆

اہارہ کے اندر جاتے ہی مائی ٹکھی انہوں نے بینچی۔ رات میں دب بالکل نہ سوتی تھی۔ سونے کا دارت سچ کا ہی تھا۔ "کوئے کی بینچی" پی کر اس پر اسکی مد ہوئی طاری ہوئی تھی کہ وہ خود کو

رکتا پاہتی تو روک نہ سکتی تھی۔ اس پر گہری بینڈ کا غلبہ دہتا، نظر طاری ہوتا یاد ہے؛ ہوش ہو جاتی تھی۔ کچھ پہنچا تھا۔ بس دو "بینچی" پی کر دوڑھائی بینچ کے لیے دنیا سے کنارہ کر جاتی۔

کسی اور ہی جہاں میں بینچ جاتی۔

اس وقت رات کے ڈھانی بیٹے تھے۔ مگن میں تار کیا چھائی تھی۔ نیم کے درخت پر بھی خاموشی سلطان تھی۔ مائی ٹکھی نے چالیس پھیرے اپنے ہنگ کے کے گئے۔ وہ بھیروں کے

دوران کچھ پڑھتی جاتی تھی۔ ایک چکر پورا کر کے دہ آسان کی طرف مناخا تھا اور زور سے آواز کاتی۔

"آبگا.....!" یہ نیڑہ بلند کر کے دو پھر چکر کئے میں مشنوں ہو جاتی۔

جب چالیس پھیرے کھل بوجئے تو اس نے ہنگ میں پڑی ہوئی کھڑی چارپائی کا خانہ کر کھڑا کیا اور پھر اسے دیوار سے بٹا کر چھنگ ہنگ میں لاگی اور کچھ پڑھتے ہوئے چارپائی

امیوں کے فرش پر لٹ دی۔ اب چارپائی کے پائے اور ہو گئے تھے اور اپ کا حصہ میں سے لگ گیا تھا۔

مائی ٹکھی نے اپنی پڑی چارپائی کے گرد پھر کئے شروع کیے۔ وہ کچھ پڑھتی جاتی اور پھر کھٹی جاتی تھی۔ ہر چکر کے اختتام پر نیڑہ ستانہ بلند کرتی۔ "آبگا۔"

سات چکر پورے کرنے کے بعد وہ اپنی چارپائی پر اس طرح بینچی کی کہ دوں باخھ پاکی کے پا یوں پر تھے۔

دوں پائے کھٹنے کے بعد اس نے زور زور سے جھومنا شروع کیا۔ وہ اپنے خاص انداز سے جھوٹی جاتی تھی اور کچھ بولتے ہوئے دوں ہاتھوں سے ایک

پائے کو کھڑتی اور پھر زور دار آواز میں پکارتی۔ "آبگا۔"

کیا رہ باریہ میں زبرانے کے بعد مائی ٹکھی یوگا کے انداز میں بینچی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ دیگز ری تھی کہ اسے چارپائی لڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔

پھر اسے ایک باریک سی آواز سنائی دی۔ "لے آ گیا بگا۔" (جاری ہے)

یہ سنتے ہی مائی پنکھی کی رگ میں خوشی سرایت کر گئی۔ وہ خوشی سے سرشار ہو کر بولی۔ ”تو آگیا بھی..... تیری بڑی کرپا۔“  
مائی پنکھی کے سامنے سفید چکلیا دھویں نہ دوار ہوا تھا۔ اس دھویں نے ایک انسانی بیوی کی شکل اختیار کی اور پھر بند ہو گیا۔  
”اب تو انسانی کھات کا پانچ بڑھے گی تو میں کیسے روں گا۔ مجھے آہا ہے گا۔“ سفید چکلی دھویں کے تجھے بیوی سے آواز آئی۔  
جیسے وہ کھڑا ہو۔

مائی پنکھی نے چارپائی کی پٹی پر اپنا سر کھو دیا اور اپنے دنوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے جیسے وہ ماتھانیکتے ہوئے اس کے چون چھوٹا چاہتی ہو۔  
”ہاں، پنکھی بول..... کیوں بایا؟“ سفید چکلی بیوی سے آواز آئی۔  
”بس تجھے دیکھنے کو جی چاہو رہا تھا۔“ مائی پنکھی نے نہ کر کہا۔  
”عورت پن چھوڑ، سیدھی صاف بات کر، جمل جلدی بول۔“ بگا نہ راغب ہوا۔  
”میں اس انجوکا کیا کروں؟“ مائی پنکھی فوراً مقصد پر آگئی۔  
”کیوں۔ کیا ہوا؟“ بگا نے پوچھا۔

”اب تو وہ روز ہی پوچھنے لگی ہے اپنے بارے میں۔ میں کب تک اسے ادھر ادھر کی باتیں کر کے بہلا دیں۔ بگا تجھے بے کہ مجھے اس پر ترس آتا ہے۔ اس بے چارپائی کو بھی سکھ لے گا۔“ مائی پنکھی نے اداں لے گئیں کہا۔

”دیکھیں۔ ہر منش کا سکھا الگ ہوتا ہے۔ ہم آگ میں خوش رہتے ہیں، کوئی پانی میں خوش رہتا ہے، کسی کو ہادا چاہئے کوئی دولت پا کر پرن (خوش) ہوتا اور کوئی سب کچھ کھو کر اطمینان پاتا ہے، تو اس پر ترس نہ کھا، وہ ہمارے لئے بہت سختی ہے۔ تو اچھی طرح جانتی ہے کہ کتنے بیجن سے تو نے اسے حاصل کیا ہے۔“ بگا نے مانسی یاد دلایا۔

”بُغُ..... وہ میری منزل نہیں، مجھے آگے جانا ہے۔“ مائی پنکھی نے اپنا عزم ظاہر کیا۔

”پھر کیا چاہتی ہے تو۔ کیا اسے آزاد کرنا چاہتی ہے؟“ تجھے چکلی دھویں سے آواز آئی۔

”ہاں، جی تو یہی چاہتا ہے۔“ مائی پنکھی نے دل میں چھپی بات ظاہر کی۔

”اہمی اس کا وقت نہیں آیا تو خود کو سنبال، اس پر مہربان نہ ہو۔“ بگا نے تسمیہ کی۔

”بُغ۔ اتنی اجازت تو دے کر میں اس کا جیون اس پر کھول دوں۔“

”مجھے سے اجازت لے رہی ہے جبکہ تو اسے ایک گمراہ کھاچکی ہے۔“ بگا نے کسی قدر غصے سے کہا۔

”ہاں، مجھے سے ظلطی ہوئی۔ میرے دل میں دیا آگئی تھی۔“

”دیا، رحم، معاف۔ یہ اور اس طرح کے شبد ہمارے باں منوع ہیں۔ کیا تو نہیں جانتی ہم آگ والے ہیں۔ یہ لفظ نہیں زیب نہیں دیتے۔ گھوڑے کو گھاس سے یاری نہیں کرنا چاہئے۔“ بگا نے اپنی باریک آداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”بُغ..... تو جانتا ہے کہ میں کیسی ہوں۔“ مائی پنکھی بولی۔

”ای لے بگا تجھے سمجھا رہا ہے کہ اسکا نہ بن کر تو کسی مشکل میں پھنس جائے۔“ بگا نے کہا۔ ”جس تیری خوشی اگر اس میں ہے کہ اس کا جیون اس پر کھول دے، تو کھول دے۔“ تجھے اجازت دیتا ہوں لیکن اسے آزاد کرنے کی ظلطی نہ کرتا۔ پھر کہتا ہوں کہ اس کا وقت نہیں آیا، جب آئے گا تو تباہوں گا۔ نہیک ہے، کوئی اور بات یا میں چلوں؟“

”نہیک ہے بگا تو جا، تیری میریانی کر تو آیا۔“ مائی پنکھی نے ایک مرتبہ پھر اس کے سامنے ماتھا لگا کر چون چھوئے۔

ای وہت سنید چکلی بیوی سے حركت ہوئی اور پھر وہ دیمرے دھیرے مددوم ہوتا گیا۔

اور جب دکھل طور پر غائب ہو گیا تو مائی پنکھی پر سرت انداز میں اٹھی چارپائی سے انھی، اسے سیدھا کر کے دیوار کے ساتھ لگا یا اور پہ سکون انداز میں لیٹ گئی۔ وہ خوش تھی کہ بگا نے اس کی ظلطی کو نظر انداز کر رہا تھا۔ اب وہ پرے اطمینان سے انجوہ جیون اس پر کھول سکتی تھی۔

انجوکا خیال آتے ہی اس نے گردن موڑ کر کرے کے دروازے کی طرف دیکھا تو وہ اسے دکھائی نہ دی۔ اس نے سوچا وہ اندر سور ہی ہو گی۔

☆.....☆

خابر گاڑی کا کھلا دروازہ بند کر کے فیصلہ گن انداز میں بولا۔ ”انکل، میں اب آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔“

”میٹا۔ ہم سے ظلطی ہو گئی ہے، ہمیں معاف کرو۔“ ڈاکڑن شادنے نو شنکل کا آناز کیا۔

”مجھے میٹا کہیں، کوئی باپ اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتا جیسا آپ نے کیا۔“ عابر بڑے سلکم انداز میں بولا۔ ”میں اب یہ بات اچھی طرح جان گیا ہوں کہ آپ سے ظلطی نہیں ہوئی، آپ نے جو کچھ کیا، جان بوجو کراور سوچ کبھی کر کیا۔“

”میٹا۔ غصہ مت کر دو۔“ ڈاکڑن شادنے خوشامانہ لہجے میں کہا۔ ”ہمیں معاف کر دو، میں تمبارے پاؤں پر تباہوں۔“ یہ کہتے ہوئے وہ اس کے قدموں کی طرف جگتا۔

”چھوڑیں یہ ڈرامہ بازی۔“ عابر کیدم چیچھے بٹتے ہوئے بولا۔ ”جا میں اپنی میٹی کیلئے کوئی نیباں تلاش کر لیں۔“ ہونا تو یہ چاہئے کہ میں مزماں کے طور پر ملکہ کو طلاق نہ دوں لیکن جانتا ہوں کہ اس سے آپ کی محنت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ عزت میری خراب ہو گی۔ میرے حق میں بہتر ہی ہے کہ میں اسے سینکھرے آزاد کر دوں۔ اور اپنی راہ لوں۔“

”نہیں میٹا، ایسا مت کرنا۔“ ڈاکڑن شادنے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہوئے کہا۔ ”میں جانتا ہوں کہ وہ تم سے شدید محبت کرتی ہے۔“ نہبر دیں تھبڑی اس سے بات کراتا ہوں۔“

ڈاکڑن شادنے عابر کے جواب کا انتشار نہ کیا۔ جیب سے موبائل ٹیل کر کھنا کھٹ نمبر ٹالیا اور فون انھائے جانے کا بے چینی سے انتشار کرنے لگا۔

چیسے ہی ملکہ نے فون انھائی۔ ڈاکڑن شادنے بڑی تنزی سے کہا۔ ”ملکہ..... عابر صاحب کو سمجھا، یہ تمہیں طلاق دے رہے ہیں۔“

”کہاں ہیں آپ اوگ؟“ ملکہ نے پوچھا۔

”ہم لوگ تھانے کے باہر کھڑے ہیں۔“ ڈاکڑن شادنے بتا۔

”گمراہیں۔“ ملکہ نے بے قراری سے کہا۔

”یہ گمراہ نے کے لئے تیار نہیں۔ تمہیں طلاق دے کر پلے جانا چاہتے ہیں۔ ملکہ ان سے بات کرو۔“ ڈاکڑن شادنے پر بیٹانی دیدی تھی۔

ڈاکڑن شادنے ملکہ کا جواب سے بغیر موبائل عابر کی طرف بڑھا دیا۔ عابر نے ایک نظر موبائل کو دیکھا۔ وہ اب کسی سے بات کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ وہ کیا بات کرتا۔ اب بات کرنے کو دیکھا گیا تھا۔ جو چھپا تھا، وہ سامنے آگیا تھا۔ ہر چیز مساف اور راش بوجی تھی۔ اب نیلے کا وقت تھا۔

"پلیز عابر صاحب۔" ذاکر نو شاد نے بڑی عاجزی سے کہا اور موبائل دوبارہ اس کے ہاتھ میں دینے کی کوشش کی۔

نہ چاہتے ہوئے بھی عابر نے موبائل فون ہاتھ میں لے لیا۔ چند لمحے اس نے اپنے اندر دیکھتے طوفان کو تباہی کرنے میں لگائے۔ جب اس نے "بیلو" کہا تو اسے خودا پری آوازِ حسینی محسوسی بھوئی۔

"ناہر۔ گھر آ جائیں، ہم یہاں بیٹھ کر بات کر لیں گے۔" ملکہ نے اس کی آوازِ سنتے ہی کہا۔

"غم، کون سا گھر؟" ناہر کے لہجے میں غصے سے زیادہ دکھ تھا۔

"ناہر۔ آپ کا اپنا گھر، جہاں آپ رہتے ہیں۔" ملکہ بولی۔

"میرا کوئی گھر نہیں۔ عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا کوئی گھر نہیں ہوتا۔ میں مرد ہو کر یہ بات کہہ رہا ہوں اور جس کہہ رہا ہوں کہ میرا کوئی گھر نہیں۔" ناہر جانے کیا کہہ رہا تھا، خود اس کی بھجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا۔

"ناہر میرے پاس آ جائیں۔ میں وہ ملکہ ہوں جس کے سر پر آپ نے محبت کا تاج رکھا تھا۔"

"اب وہ ملکہ ہی نہ تاج رہا۔ میں میں نہ رہا۔ تو تو نہیں۔ سب جاؤ ہو گیا۔" ناہر کے دل سے دھواں انہر رہا تھا۔

"ناہر، میں وہ ہوں جس پر آپ مرے تھے۔"

"غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے، مجھ سے بھی ہو گئی۔" ناہر کی زبان پر چاہی تھی۔

"ناہر بھجھے طلاق نہ دینا، میرا ساتھ چھوڑنا، میں تباہ ہو جاؤں گی۔" ملکہ کی آواز میں انجامی تھی۔

"میں چھیس خوشی سے طلاق نہیں دوں گا۔ میری تباہی کا تمہیں انداز نہیں۔ پر اب یہ درجہ ایسی سستہ ہی ہو گا۔" ناہر بولا۔ "کاش امیں تمہیں جان لیتا۔"

"ناہر گھر تو آ جائیں۔ میں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دوں گی، کچھ نہیں چھا دوں گی۔" ملکہ نے ایسی بات کہہ دی کہ ناہر کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔

اس نے فیملے کیا کہ جو اس نے دل میں ممان لی ہے، وہ اپنی جگہ اُنکی بے یکن اس کی بات سننے میں کیا حرج ہے۔ کہنی ایسا ہے کہ وہ زندگی مجرماں پھٹا دے میں جلا رہے کہ اس کی بات سے بغیر اس سے یہ ملکہ گی اختیار کر لی۔

"ملکہ نجیک ہے، میں آتا ہوں۔ لیکن اتنا یاد رکھنا کہ کوئی بات جھوٹ نہ ہو، اب میری برداشت آخوندی حدود تک ہتھیں ہو گی۔" ناہر نے موبائل آف کیا اور گاڑی کا پچھا دروازہ کھول کر بینچے گیا۔ وہ اس کردو، شخص کے برابر بینچا نہیں چاہتا تھا۔

ناہر کو گاڑی میں بینچے دیکھ کر ذاکر نو شاد کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ خوش تھا کہ اس کی بھی نے "کام" دکھایا تھا۔ لیکن اسے یہ انداز دن تھا کہ اس کی بھی کام دکھانے نہیں بلکہ اس کا کام تمام کرنے جا رہا ہے۔

ناہر نے راستے میں ذاکر نو شاد سے کوئی بات نہ کی۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔

جب عابر، ذاکر نو شاد کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو اتویوں لگا جیسے کسی کی سوت ہو گئی ہو۔ لا دخنخ میں کوئی رہتا۔ اُنہیں بند تھا۔ شائستہ کے کرے سے ڈیک کی آوازیں آری تھیں۔

ملکہ اپنے کرے میں تھی۔ کرے کا دروازہ کھلا تھا۔ لیکن جس کے انتار میں یہ دروازہ کھلا تھا، وہ اندر نہ آیا۔

جب عابر کوئی دی لا دخنخ میں ملکہ نظر آئی تو اس نے ذرا انگر دم کا رخ کیا اور ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ اب اس کرہ کا کمکن نہ تھا، بہان تھا۔ ذاکر نو شاد نے کوشش کی کہ وہ ملکہ کے پاس چلا جائے لیکن وہ لس سے سک نہ ہوا۔ مجبوراً ذاکر نو شاد کو ملکہ کوڑا انگر دم میں بیٹھا پڑا۔

ملکہ ذرا انگر دم میں داخل ہوئی تو عابر نے منہ بھیر لی۔ اس نے دروازہ بند کی، منتقل کیا اور اس کے برابر بینچے کے بجائے سامنے والے صوفے پر پڑست اختیار کی۔

"آپ کا منہ بھیرنا بجا۔ میں اسی قامل ہوں کہ مجھ سے نفرت کی جائے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کے برابر بینچے کے قابل نہیں رہی، اس لئے آپ کے برابر بینچے کی جرأت نہ کر سکی۔ میں سزا دار ہوں، گناہ گار ہوں، ناتال معاافی ہوں۔" ملکہ کی آواز میں شدید دکھ بول رہا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ عابر پر اس کی بات کا کیا اثر ہو رہا ہے، وہ اپنی دھن میں کہے جا رہی تھی۔" ناہر، کاش آپ نے مجھ سے شادی نہ کی ہوتی۔ کاش آپ نے میرے لئے اپنے والدین، اپنا گھر نہ چھوڑا ہوتا۔ آج میں جس احساس جنم میں بھلا ہوں، وہ نہ ہوتی۔ میں....."

"ملکہ۔ تم نے مجھے جس مقصد کے لئے بنا یا ہے، وہ بیان کر د۔ اگر تمہارے پاس تانے کو کچھ نہیں ہے تو پھر میں چھتا ہوں۔ میرے پاس دلت نہیں ہے۔" ناہر نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"سنو عابر، پھر..... میں اپنے اور اس گھر کے لوگوں کے بارے میں جو کچھ جانتی ہوں، وہ سب تانے دیتی ہوں۔ عابر اپنے تو یہ جان لو کہ ذاکر نو شاد میرا بھاپ نہیں۔"

ناہر کوئی کر دھپکا سا بھاپ لیکن وہ بولا کچھ نہیں۔

"ذاکر نو شاد میرا ہی کیا، ہم سات بہنوں میں سے کسی کا بھی بھاپ نہیں۔ ہمارے معاشرے میں مردوں چارشا دیاں کر لیتے ہے لیکن کبھی نہیں سن ہو گا کہ کسی عورت نے چارشا دیاں کی ہوں۔ میری ماں چاندنی نے ریکارڈ توڑا۔ اس نے چارشا دیاں کیس۔ ذاکر نو شاد میری ماں کا چوتھا شوہر ہے۔" ملکہ نے آج ہر دن بات آخوند کرنے کی خان لی تھی جو اس کے دل میں محفوظ تھی۔" میری ماں کا تعلق غربی گھرانے سے تھا۔ باب پر بزری فروش تھا۔ ٹھیلے پر گلی مکلوں میں سبزی بیچا کرتا تھا۔ ہم بہنوں کی طرح اس کی بھی سات بینیں تھیں۔ ان بہنوں میں سب سے خوبصورت ماں تھی۔ گھر میں اکثر فنائے ہوتے تھے لیکن میری ماں کو بننے سخونے کا بے انجاشق تھا۔ پہبڑ کر کھانے کو ہونہ ہوا، اچھے کپڑے چائیں۔ ٹلوں اور اُنہیں دی ڈراموں سے بے بناہ گاڑ تھا۔ ملکہ کے کھاتے چیز گرانوں کی لڑکوں سے دستی ہما نہ کر کھی تھی۔ ان کے گھر دل میں کمکی رہتی۔ وہی اُر پر فلمیں دیکھی جاتیں۔ فلمیں اور اُنہیں دی ڈرامے دیکھ کر خواب ہتے جاتے۔ میری ماں سوتی تو مکلوں کے خواب دیکھتی۔ نیشن کی ماری ماں نے میز کی پہنچنے پہنچنے ملکے کے کمی لڑکوں سے "پچے بازی" کر دی تھی۔ ہر لڑکا ان پر جان چھڑتا تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ میری ہے لیکن وہ کسی کی نہ تھی۔ کام جیسی قدم رکھتے ہی ماں نے جمکان گاہ اور ایک گاڑی دی جو اسے "دام الہت" میں پھنسالی۔ وہ لڑکا اپنی بہن کو لینے آیا تھا۔ میری ماں نے اس لڑکی سے جس سے تھوڑی بہت دوستی تھی، از خود لٹک اگلی۔ بس پھر تیکوڑی کی لٹک اس لڑکے کے لئے "دبال جان"۔ بی بی۔ ماں اس طرح اس کے گلے کاہار بھی کرے شادی کر دی۔ یہ میری ماں کا پہلا شوہر تھا۔ اس شوہر سے شائستہ، فاختہ اور ماجدہ نے فرم لیا۔ پھر ایک کوچنگ سینٹر کے پر فیسر سے راہ درسم بوجی، اُتھی کے پہلے شوہر سے ٹھن لے کر میری ماں نے پر فیسر سے شادی کر دی۔ میں پر فیسر صاحب کی بھی ہوں۔ پر فیسر صاحب کو میری فیشن زدہ ماں کی آزادی نہیں کر سکی۔ انہوں نے طلاق دے کر ماں سے جان چھڑا۔ پھر تیسرے شوہر ماں کی زندگی میں آئے اور تم بیٹھا دے کر زیادہ عمر صندہ نہ رہ سکے۔ تیسرے شوہر کی موجودگی میں ہی ذاکر نو شاد سے ماں کی شناسائی بچکتی۔ چلا پڑا ذاکر نو شاد نے ماں کو جانے کی خوب دکھاتے کہ ماں نے تیسرے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ وہ کسی سیاہ پارٹی کا اثر درسوخ والا بند تھا، اس نے طلاق دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اسے ہم چار بیٹیاں نہیں کی صورت میں نظر آتی تھیں۔ وہ ہم سے ہاتھ دھونے کو تیار نہ تھا۔ ناہبے، ماں اور ذاکر نو شاد نے مل کر اسے قتل کر دیا۔ اس طرح تیسرے شوہر سے بھجاتے پانے کے بعد ماں نے ذاکر نو شاد سے کوچنے کیا۔ ذاکر نو شاد نے ماں کو ہر دن جیز دے دی جس کی وجہ سے خوب گاڑی چھنے گی۔ وہ نوں نے مل کر کہیں "بیکر چیک" بنا لیا۔ اگر ہم میں سے کوئی بہن "کیش" بونے سے اٹکا کر کتی تو اس کا کھانا پتا بند کر کے تین کر دیا جاتا۔ بھوک، پیاس اور قید و تباہی ہمارے ہوش مکانے کا دیتی۔ یوں بھی ہم نے اپنے بچپن سے اپنی ماں کو آزار دی پس دیکھا تھا۔ گھر کا محل ایک دم کھلا تھا۔ ہمارے چاروں طرف گھا بہرے بھی، ہمیں تو ہاتھ دھونے ہی تھے۔ ذاکر نو شاد اب تک اسے ملکہ نے اپنے ایک سیدھا سادہ پوکر کیا جا سکے۔ دکان کے اندر بے شک جو بھی کار دربار ہو تو بھائیوں لیکن دھوکا دینے کے لئے ایک اچھے سائیں پورڈ کی ضرورت ہوئی ہے۔ وہ آپ کی صورت میں اس دکان نما گھر کو بیس آگیا۔" ملکہ نے اُنھیں سے کہا اور سر جھکا کر بینچے گئی۔

"ایک بات میری بھجھ میں نہیں آئی کہ جب تم لوگوں کے ذریعے گھر کی گاڑی بھجھ خاک ہل رہی تھی تو پھر تمہاری شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" ناہر نے پوچھا۔

"ہمیں بات تیار ہے کہ اس گھر کے لئے ایک سیدھا سادہ پوکر کیا جا بینے تھا۔ وہ آپ کی صورت میں مل گیا۔ درسرے میں اس گھر کی "بات کیک" بھی۔ اس کیک کو جھیں پیکنگ کی ضرورت تھی تاکہ بفت ضرورت محفوظ رکھا جاسکے۔ دکان کے اندر بے شک جو بھی کار دربار ہو تو بھائیوں لیکن دھوکا دینے کے لئے ایک اچھے سائیں پورڈ کی ضرورت ہوئی ہے۔ وہ آپ کی صورت میں اس دکان نما گھر کو بیس آگیا۔" ملکہ نے اُنھیں سے کہا اور سر جھکا کر بینچے گئی۔

"آج جو جاتیں تم نے بھائی ہیں، اگر کل بھوپال پر آئے کر دیتیں تو کتنا اچھا ہوتا۔" غابر نے ساٹ لبھ میں کہا۔  
"میں نے تینی بار جاہا کیں آپ کو ہر دو بات بتا دیں ہر مجھے معلوم ہے لیکن بتانے کی بحث کیا، بس ارادہ باندھ کر دی۔ میں نے اشارہ تو کیا لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ کی۔ آپ انہی بحث سے مجرور تھے اور میں اپنے گھر والوں کی تجسس سے راہ کو نکل کی صورت میں مجھے زہر دیا جا سکتا تھا۔" لیکن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
"کیا بڑا زہر سے فیجاڑ کی؟" غابر نے پوچھا۔

"اب مجھے زہر کے کاراجائے یا کسی چھروی سے سیراگاہ کا نام بجائے، مجھے کوئی خفیہ نہیں۔ میرے دل پر ایک بوجھ تھا، وہ میں نے ادا دیا۔" لیکن نے بڑے پیسے گھون انداز میں کہا۔ "یوں ایک بات کہوں، پہنچیں آپ کو میری بات کا لیکن آئے گا کہ نہیں۔ میں اس لندگی کا حصہ ضرور تھی لیکن اس لندگی کو کسی دل سے قبول نہیں کیا۔ آپ کے بھائی میں آکر یہ احساس اور بڑھا۔ غابر میں اس کندھ سے لٹکنا چاہتی ہوں۔ میں اس گھر کو محظوظ نہجاہتی ہوں۔ آپ مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔ مجھے آپ سے بحث ہو گئی ہے۔ ہم اب ایک تینی دن بسا میں گئے۔"

"میں، اب بہت دیر بڑھ کی۔" غابر کے ہونوں پر ایک لمحہ مکراہست آئی۔ "میری آئیں کھل پھی ہیں، میں انہیں بندھوں کر سکتا۔"

"غابر، ایسا شکر، اپنی لکڑ کا کچھ خیال کرو۔" لیکن نے انجام کی۔

"تمہارا خیال کرتے ہوئے یہ میں نے فیصلہ کیا ہے۔" غابر مکمل انداز میں بولا۔

"فیصلہ... کیسا فیصلہ؟" لیکن نے چونکے کر کہا۔

"میں نے اس دکان کو، اسے گھر کہتا گھر کی توچیں ہے، چھوڑ دیے کافی نہیں کیا ہے۔ ساتھ ہی میں نے جھیں بھی چھوڑ نے کافی نہیں کیا ہے۔ باڑا اس شیطان ڈاکٹر نو شاکر، باڑا اس حفاظ چاندنی کو، باڑا انپی کو پیلی، بنبوں کو بیٹا کہ ہر فنی ہر افسوس پر بکانی سے نہ ہے۔" غابر نے تریخاچھ کی کہا۔

لیکن صونے سے انھی دوسرے کے قدموں میں آئی تجسس۔ انہوں میں آن بھر کر بولی۔ "کیا آپ مجھے صاف نہیں کر سکتے؟"

"صاف کرو دیا اور کیسے کروں؟ ورنہ جو کچھ میں نے دیکھا، وہ اچل تھا۔ تھا میں نے جھیں تل نہیں کیا، میں نے قدم سے کچھ بھی نہیں کیا۔ میرے قدموں سے اٹھ جاؤ۔ میرے سب سے سب سے بکار کر لاد۔" غابر نے تکہ کہہ کر دوسرے صونے پر بجا بینا۔

غابر کے لبھ میں کوئی ایسی بات تھی کہ وہ اس سے مزید بات نہ کر سکی۔ نہ چار آنکھی اور زر انگل روم کار دوازہ کوں کر بار بکل گئی۔

گھر کا ہر فرد اس وقت اُنی لادنگ میں موجود تھا۔ لیکن دوپتے سے اپنے آنسو پوچھتی لادنگ میں داخل ہوئی اور سب پر ایک نظر ڈالتے ہوئے بولی۔ "آپ سب کو نام بردار بے ہیں۔"

سب سے پہلے چاندنی انھی۔ ڈاکٹر نو شاکر دوسرے کی لندگے کے نزدیک پہنچا۔ چاندنی نے پوچھا۔ "خبر ہے تو ہے؟"

"قیامت گز رجھی، اعمال نہ۔ ہاتھ میں آنے کا وقت آپنہا۔" لیکن نے عجیب سے انداز میں کہا۔

چاندنی کی سمجھ میں اس کی بات نہ آئی۔ اس نے ڈاکٹر نو شاکر کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر نو شاکر نے کھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر ہونوں تیزی سے ڈر انگل روم میں داخل ہو گئے۔ ان کے پیچے لکھ لیاں تھیں، سب سے آخر میں لکھا نہ رہا۔

"بیٹا، خیر ہے؟" چاندنی نے کسی تدریجی کی تھی تو ہے پوچھا۔

"میں بیٹا کیسے ہو؟ گھر دار بینا نہیں، گھر کا چکریا ہوتا ہے، سائنس پرور ہوتا ہے تاکہ اس کی آزمیں جو چاہے کاروبار کیا جائے۔ میں اس سائنس پرور کا آج تو زد ہوں۔ میں اس دکان کو چھوڑ کر جا رہوں۔ میں لکڑ کو طلاق دیتا ہوں۔" غابر نے اس طبقے کو تینیں آن پوچھتی لادنگ میں داخل ہوئی اور پہلی اور دوسری نظر ڈالتے ہوئے بولی۔

طلاق دے کر دو ایک لکھی وہاں نہ تھہرا۔ معمبوط قدموں سے چلتا ہوا گھر سے باہر بکل گیا۔

اس کے جانبے کے بعد سب ایک دوسرے کی سمجھیں دیکھتے لگے۔ کسی کی سمجھیں بھونڈنے یا کر دو بولے تو آئیں بولے۔

ڈاکٹر نو شاکر کے تھی میں جانے کیا آئی کہ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے کہ ڈاکٹر نو شاکر روم سے ڈلتا، چاندنی نے اس کا پاٹھ کچھ لیا اور صاف لبھ میں بولی۔ "بس اب کھیل ختم ہو، جانے والا چاکیا، اس کا مقابلہ بیکار ہے، اب آگے کی سوچو۔"

غابر چاہتا تھی کہی تھا کہ اس کے مقابلہ میں کوئی نہ آئے۔ وہ بیان گارے وقت کوئی ذرا اونٹے خواب کی طرح بھول جانا چاہتا۔ بازی الٹ گئی، اب بھر سے باطاط پچائی کوئی ناقہ دش تھا۔ وہاں گھر سے داہم نے کے لئے نہیں نکلا تھا۔

اس وقت رات کے دن بکر ہے تھے۔

دوسری دفعہ تھے قدم بڑھا تھا آگے بڑھا تھا۔ اس کی کوئی منزل نہ تھی، جو حراس کا من اٹھا، جس دیا تھا۔ اس وقت اس کی کیفیت کی بارے ہوئے جواری کی تھی جو پہاڑ سب کچھ لٹکے بہت جا رہے تھے۔ اس کا سب کچھ لٹکے بہت جا رہا ہے۔ اس کا سب کچھ لٹکے بہت جا رہا ہے۔ اس کا سب کچھ لٹکے بہت جا رہا ہے۔

ایسا گھاٹکیا یا جو نظر تو نہیں آرہا تھا۔ اس کا سب کچھ لٹکے بہت جا رہا ہے۔ اس کا سب کچھ لٹکے بہت جا رہا ہے۔

اپاکے سے اپنا بیپا یا رائی ٹھیک ہے کیونکہ بھوپال کی باتیں کوئی نہ آئی۔ انہوں نے کہا تھا کہ کوئی نہ کریں، کوئی لازم تھا میں پاس نہیں۔ دو ایک بے روزگار ٹھیک ہے بھوپال میں کہا ہے۔

واتھی دال میں بہت کچھ کالا تھا۔ اس نے اپنے والدین کی بات نہ انی اور وہ غصے میں گھر چھوڑ کر پا آیا۔ اپنا گھر چھوڑ کر کیا۔ لذت اور سوائی کا شاہ اس نے اپنا گھر نہ چھوڑا۔

دوپنی دس سوں میں چلا جا رہا تھا کہ اپاکے کوئی اس سے کھڑا۔

دوسری دفعہ تھے کچھ لٹکے بہت جا رہا تھا۔ اس کا سب کچھ لٹکے بہت جا رہا ہے۔ اس کا سب کچھ لٹکے بہت جا رہا ہے۔ اس کا سب کچھ لٹکے بہت جا رہا ہے۔ اس کا سب کچھ لٹکے بہت جا رہا ہے۔

ایسے سامنے فرش پر بیٹھے لوگ نظر آئے تھے لیکن میں چکھی نہیں کھلائی تھی۔ دراصل اس کی چار پائی بارپی خانے کی آزمیں تھیں اور ہاتھ کی طرف سے پھر ڈالیں۔

میں میں کوئی کوئی نہیں کھلائی تھی۔ اس کی چار پائی بارپی خانے کی آزمیں تھیں اور ہاتھ کی طرف سے پھر ڈالیں۔

اسے سامنے فرش پر بیٹھے لوگ نظر آئے تھے لیکن میں چکھی جو چلی جاتی، ایک دم چکھی اور دلدار بکھش سے بھر ڈالیں۔

رکل نے کسی کمائنڈ کی طرح چلا گئی اور پھر قص کے انداز میں گھنٹھر چکانی ہوئی دلدار بکھش کے سامنے آئی۔ پہنچ سیم کو اس نے انداز سے حرکت دی کر دلدار بکھش کو چلانا بھول گیا۔ وہ یوں اور کوہا تھے اس اشارے سے حرکت تو دے رہا تھا کہ اس کی سماں دخانی سے خود مجبور تھا۔ بیتھ رہا تھا دالی دیوار سے فرار ہوئا مگن تھا۔ اس نے قبرستان میں ٹھیک اپنے لوگ تھیات کر دیتے تھے۔ اس کی طرف سے ڈر کر کریں۔

دلدار بکھش اپنے لہو پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی طرف سے ڈر کر کریں۔

بس اتنی میں چکھی کے سامنے ہوئے لوگوں کو ہوئی آٹھ گئے۔ میں چکھی جو چلی جاتی، ایک دم چکھی اور دلدار بکھش سے بھر ڈالیں۔

اس نے قدموں میں بیٹھی رکل کے ہر پر بھار دار دوسری سے بھر ڈالیں۔ "اس کی آنکھوں میں دھول جھوک۔"

رکل نے کسی کمائنڈ کی طرح چلا گئی اور پھر قص کے انداز میں گھنٹھر چکانی ہوئی دلدار بکھش کے سامنے آئی۔ پہنچ سیم کو اس نے انداز سے حرکت دی کر دلدار بکھش کو چلانا بھول گیا۔ وہ یوں اور کوہا تھے اس اشارے سے حرکت تو دے رہا تھا کہ اس کی سماں دخانی سے خود مجبور تھا۔ بیتھ رہا تھا دالی دیوار سے فرار ہوئا مگن تھا۔ اس نے قبرستان میں ٹھیک اپنے لوگ تھیات کر دیتے تھے۔ اس کی طرف سے ڈر کر کریں۔

دلدار بکھش اپنے ساٹھیوں سیت دم بخوکھر تھا۔

بس اتنی میں چکھی کے سامنے ہوئے لوگوں کی بارے ہوئے جانے ساٹی کی طرح یوں اور دلدار بکھش کے سامنے آئی۔ اس نے رکل کے کندھے پر باتھ دکر کر کہا۔ "بس!"

رکل نے میں چکھی کا سکم سنتے ہی دوبار پائیں زندگی پر بھر ڈالیں۔

میں چکھی دو قدم آگے کے بڑی اور سکر کر بولی۔ "آخر تجھے ہمیں نہ آیا، پھر آگئی۔"

دلدار بکھش بخیر پک جھکے اسے دیکھا کر، پکھوڑ بکھوڑ۔

"لاکا کا..... اپنی سے بندوق بخجھے دے۔ میں چکھی نے عجیب سے انداز میں کہا۔

جانے اس کی آڈاں میں ایسا کیا تھا کہ دلدار بکھش نے کسی بارے ہوئے ساٹی کی طرح یوں اور دلدار بکھش کے پشت پہنچ کے ماہر دلدار بکھش کے سامنے آئی۔ اس نے دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔

میں چکھی نے پاکی ستر تباہ۔ پھر بولی۔ "پڑھوادنگوں۔"

اب دہلو میں بندوق بخجھے دے۔ میں چکھی کے سامنے ہوئے دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔ اس نے دلدار بکھش کے سامنے ہوئے دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔

"او۔ میں چکھوڑنے تھے کہ دلدار بکھش کے سامنے ہوئے گئی۔" دلدار بکھش اپنے سامنے ہوئے گئی۔</

دیوار کے اس طرف کھڑے دلدار بخش نے اپنے آدمی کا جواب سن لیا تھا۔ دیوار سے بھی کوئی بندہ اور نہیں کودا۔ یہاں عورتیں بھی تھیں، ان کا دیوار پر چڑھنا در پھر کو دنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ دروازے پر دفعہ سپاہیوں کے موجود تھا۔ اس کے سامنے سے کوئی نہیں گزرا تو پھر ان لوگوں کو زمین پھلی گئی یا آسمان کھا گیا۔..... آخر ہوا کیا؟ آپشں خود اپنے ہاتھوں کیا تھا لیکن ہاتھ کچھ نہ آیا تھا۔

”کا کا..... کیا سوچ رہا ہے؟“ مائی ٹکھی نے سپاٹ لبکھ میں پوچھا۔

”مائی..... میں سوچ رہا ہوں کہ پولیس کی نوکری چھوڑ کر تیری چاکری کروں۔“ دلدار بخش نے جل کر جواب دیا۔

”تیری سوچ بالکل صحیح ہے۔“ مائی ٹکھی نے بنس کر کہا۔ ”میرا پاکر نہیں شاگرد بن جا، بہت فائدے میں رہے گا۔“

”مائی۔ میں نے تجھے استاد مانا۔ بس مجھے اتنا ہتا دے کہ یہ کون لوگ ہوتے ہیں اور کیسے نائب ہو جاتے ہیں؟“ دلدار بخش کے لبھ میں بے چارگی تھی۔

ماں ٹکھی کو اس پر اچاک تر س آگیا۔ وہ چار پائی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ”آپنے کہا کا۔ میں تجھے بتاتی ہوں۔ پتو اپنے بندوں کو یہاں سے نکال۔“

دلدار بخش نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”چلو تم لوگ باہر نکلو۔ میں آتا ہوں۔“

”وکیجہ کا کا۔ پہلے تو اپنی یہ نسلی فنی دور کر لے کہ میں یہاں کوئی جوئے کا اڈا چلاتی ہوں یا یہاں مورتوں کا کاروبار ہوتا ہے۔“ مائی ٹکھی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”یہاں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ ہر اداں کی رات کو یہ لوگ میرے پاس آتے ہیں۔ یہ مختلف عملیات کے ماہر ہوتے ہیں۔ یہ اپنے اپنے مسئلے کے لئے کریباں آتے ہیں۔ میں ان کے سامنے حل انہیں بتاتی ہوں۔ یہ تو ہو گیا اس بات کا جواب کہ یہ کون لوگ ہوتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ کیسے نائب ہو جاتے ہیں، یہ میں تجھے بتاتی ہوں اور بتا اس لئے رہی ہوں کہ تو اس گھر کا پیچھا چھوڑ دے۔ مجھ سے ونده کر کر ان لوگوں کا راز جاننے کے بعد تو ادھر کارخانہ نہیں کرے گا۔ میں تجھے ذاتی طور پر آنے سے منع نہیں کر رہی ہوں، تو سواری آ، میں تیرا ہر مسئلہ حل کر دوں گی۔ پتو یہاں اپنی فوج فراہم کے ساتھ مرت آ..... وندہ کر کہ تو نہیں آئے گا اور آئے گا تو اکیلا آئے گا۔ دلدار بخش بن کر۔“

”چل مائی، وندہ رہا۔“ دلدار بخش نے وندہ کرنے میں ہی غافیت جانی۔

”اب سن، غور سے سن۔ اتنے لوگوں کا چند ہوں میں آنکھ سے او جھل ہو جاتا کوئی برا کمال نہیں، یہ کوئی پچھہ بھی کر سکتا ہے۔ پچھلی دفعہ جب تو آیا تھا تو دروازہ بجا کر آیا تھا۔ مجھے تھوڑی ہی مہلت مل گئی تھی۔ اس بار تو نے یہ مہلت بھی نہ دی۔ میں گاہا سننے میں بھوکھی کر تو نہ نہ کاہا اندر آگیا، تب میں نے رنگل کو تیرے سامنے بھیجا۔ اس نے تیرے سامنے آکر اپاک نے چاٹا شروع کیا تو تیری بھوکھی نہ آیا کہ یہ کیا چیز تیرے سامنے آگئی ہے۔ بس اتنی ہی مہلت مجھے درکار تھی۔ میں نے تجھ پر اور تیرے سپاہیوں پر نیز پھونکا، تو میری گرفت میں آگیا تو میں نے تیرے ہاتھ سے بندوق لے لی، اب تو وہ کرنے پر مجبور تھا جو میں چاہتی، اب تو وہ دیکھنے پر مجبور تھا جو میں دکھاتی۔ اگر چہ رنگل میرے ساتھ کھڑی تھی لیکن تو اسے اپنے سامنے دھیا نہ رقص کرتے اپنی مرضی کے لباس میں دیکھ رہا تھا۔ تو میری بات سمجھ گیا؟“

دلدار بخش نے اثبات میں گردن ہالا کی۔ ”ہاں، مائی۔“

”بس پھر کیا تھا، ہر شخص منتر پڑھتا تیرے سامنے سے گزر گیا اور تو اور تیرے ساتھی کسی کو جاتا نہ دیکھ سکے۔ کامیابوں بھے لے، یہ ایک طرح سے نظر بندی کا کھیل تھا۔ پھر جب میں نے بندوق تیرے ہاتھ میں تمہائی تو، تو میرے سر سے آزاد ہوا، بس اتنی ہی بات تھی جس کے لئے تو نے اتنا وقت ضائع کیا۔“ مائی ٹکھی نے اپنی بات ختم کر کے دلدار بخش کو دیکھا۔

”اس کا مطلب ہے کہ تو جادو گرنی ہے۔“ دلدار بخش کے دل نے ایک نی کروٹ لی۔

”جادو گرنی میرے لئے چھوٹا لفظ ہے، میں بہت آگے کی چیز ہوں۔“ مائی ٹکھی بولی۔

”مائی۔ میری نظر میں تو کسی بڑے شیطان سے کم نہیں۔“ دلدار بخش چار پائی سے المحتا بوا بولا۔ ”تو نے میرے مجھے کے بندے کو قاتل بنا دیا۔ اگر تو اسے اس کی بیوی کے بارے میں نہ بتاتی تو وہ بھلا اپنی بیوی اور اس کے آشنا کو قتل کیوں کرتا ہیں تو شر پھیلائے بغیر نہ روک سکی۔ اب بھی تو اپنے چیلے چانزوں کے ساتھ بھی کام کر رہی ہے، پھر میں کیوں نہ اس شر کو جس سے کاث دوں۔ نہ ہو گا بانس، نہ بجے گی بانسری۔ چل مرنے کے لئے ہو جاتی ایار۔“ یہ کہ کر دلدار بخش نے چار پائی پر بیٹھی مائی ٹکھی پر ریو الور تان لیا۔ ”او۔ کا کا، تو رہا کا کے کا۔..... کا کا۔“ مائی ٹکھی طنزیہ انداز میں بولی۔ ”تیرے رب نواز کو میں نے تو نہیں کہا تھا کہ قتل کر دے، جو کیا اس نے اپنی مرضی سے کیا، اس میں میرا کیا تصور ہے۔“

”اب میں تیری کوئی بکواس سننے کے لئے تیار نہیں۔“ دلدار بخش نے ریو الور سیدھا کیا۔ ”میں تجھے جسی شیطان عورت کو ہرگز زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

”کا کا۔ میرا جرم تو تبا۔ پولیس کا کام لوگوں کو مارنا نہیں، ان کی حفاظت کرتا ہے۔“ مائی ٹکھی اسے باتوں میں الجما کر انہا متفہم پورا کرنا چاہتی تھی۔

”پولیس کا کام تجھے شیطانوں کی حفاظت کرنا ہرگز نہیں۔ تو ایسی مجرم ہے جس کا جرم کسی عدالت میں ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ بس تجھے اسی طرح مار کر معادرے سے گند در کیا جاسکتا ہے۔“ دلدار بخش نے فیصلہ نیا۔

”اچھا۔ چل پہلے میرے ہاتھ پر گولی مار۔“ مائی ٹکھی نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے کیا۔

دلدار بخش کو اس کی ہتھی پر جو نظر آیا، اسے دیکھ کر اس کے ہوش از گئے۔ ۱

ہوش کیوں نہ اڑتے۔

اس نے اپنے بڑے بیٹے کو چھوڑیاں گئے پولیس دین سے اترتے دیکھا۔ جس دین سے وہ اترادہ ملحتہ تھانے کی تھی۔

یہ منظر دیکھتے ہی دلدار بخش ساری چوکری بھول گیا۔ وہ نورا بابر کی طرف بجا گا۔ اسے بھاگتے دیکھ کر مائی چیکھی نے بیچپے سے آواز لگئی۔ ”او، کا کا۔ بھاگ کیوں رہا ہے۔ چاڑا گولی۔“

”تو گفرنہ کر مائی۔ میں آؤں گا، ضرور واپس آؤں گا۔ تجھے چھوڑوں گوئیں۔ پہلے میں ذرا اپنے بیٹے کی خبر لاؤں سا سے پولیس نے کیوں گرفتار کیا ہے؟“ مائی چیکھی چارپائی سے انھیں۔ اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”کوئی جرم کیا ہو گا۔ جب ہی تیرے بیٹے کو پولیس نے پکڑا ہے۔ پولیس کی معصوم کو تو نہیں پکڑتی، ہیں نہ۔“

دلدار بخش دروازے سے کل پکھا تھا۔ اس نے مائی چیکھی کا طنز بھرا جملے سن تو لیا تھا لیکن جواب دینے کا اس کے پاس وقت نہ تھا۔

”کا کا۔ تیرے جس میں اچھا یہ ہے کہ تو وابس نہ آئے۔ واپس آیا تو نہ سماں انھائے گا۔“ اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے زور سے کہا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی بات دلدار کے ضرور پہنچ گئی ہو گی۔

دلدار بخش کا بینا جس کی گرفتاری کا منظر اس نے مائی چیکھی کی بھتی پر دیکھا تھا، کافی اسٹوڈنٹ تھا۔ دلدار کے چار بیچھے تھے۔ مینا جس کا نام شمشاد تھا، بڑا تھا، اس سے تم چھوٹی پہنیاں تھیں۔ وہ بھی پڑھ رہی تھیں۔ دلدار کو بیٹوں کے مقابلے میں شمشاد سے زیادہ نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شمشاد پڑھ لکھ کر کچھ بن جائے۔ اس نے پڑھائی کے معاملے میں اسے ہر سبولت دے رکھی تھی۔ دلدار کی اپنے بیٹے کے بارے میں بہت اچھی رائے تھی۔ اس کا خیال تھا کہ پڑھائی کے ملاوہ اس کا دھیان کسی اور طرف نہیں ہے۔ لیکن حقیقت کچھ اور تھی۔ پڑھائی کے ملاوہ، اس کا دھیان بڑھنے والے سے پاس ہو جاتا تو اپ۔ سمجھتا تھا کہ پڑھائی کے خلاودی کی اور چیز سے آشنا نہیں ہے۔ شمشاد ایک چالاک اور شاطر لڑکا تھا۔ وہ پولیس والے کا بینا تھا لہذا اس پاس کرنے میں سارے حکمیتے استعمال کرتا تھا۔

شمشاد کو چھوڑی میں دیکھ کر دلدار کو شدید جھکنا لگا تھا۔ آخر ایسا کیا ہوا کہ اس کے پڑھائی کی بیٹے کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ جب وہ ملحتہ تھانے پہنچا تو وہاں کئی اور جھکتے اس کے خفڑے تھے۔

اس تھانے کا انچارج اتفاق سے اس کا درست تھا۔ خالد قریشی ناصرف اس کا کاس فلو تھا بلکہ وہ پولیس میں ایک ساتھ ہی بھرتی ہوئے تھے۔

رات کے چھپلے پہر دلدار بخش کو اپنے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ حیران ہو گیا۔ ”اوے۔ دلدار خیریت۔ تو اس وقت۔“ خالد قریشی نے کھڑے ہوئے ہوئے کہا۔

”اوے۔ یار انہوں نے میرا بینا کچڑا لیا۔ پھر اس وقت میں کیسے نہ آئے۔“ دلدار بخش کے لہجے میں لکھوڑ تھا۔

”تیرا بینا۔ کسی بات کرتا ہے دلدار۔ میں بھلا تیرا بینا کچڑا لیا۔“ خالد قریشی نے کری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”تو بینے، میں بھٹی کو باہتا ہوں۔“

خالد قریشی کی لاٹھی نے دلدار بخش کو پریشان کیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کہنی مائی چیکھی نے کوئی فریب تو نہیں دے دیا۔ اگر اس کا بینا بیباں ہوتا تو خالد قریشی کے علم میں ضرور ہوتا۔ کہبیں اسیاتو نہیں کہ شمشاد نے اپنی شاختہ ہی نہ کروائی ہو۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا۔ وہ گرفتار ہوتا تو اپنی جان چھڑانے کے لیے اپنے باب کا نام ضرور لیتا۔

اروپی کے ذریعے بلوائے جانے پر اسیں آئی شریف بھٹی کرے میں داخل ہوا، اس نے سلام کیا اور خالد قریشی سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”جی سر۔“

”بھٹی تم انہیں جانتے ہو؟“ خالد قریشی نے دلدار کی طرف اشارہ کیا۔

”اچھی طرح سر۔“ بھٹی بولا۔ ”ایس ایچ اور دلدار بخش صاحب۔ آپ کے درست۔“

”یار۔ تم نے بھٹان کے سامنے شرمندہ کر دیا۔“ خالد قریشی نے کہا۔

”کیوں سر۔ ایسا کیا ہوا؟“ ”شریف بھٹی کی کچھ بھٹکی میں نہ آیا۔“

”بھٹی۔ تم نے دلدار کا بینا کچڑا لیا اور بھٹے بتایا تک نہیں۔“ خالد قریشی نے اگشاف کیا۔

”سر ایسا بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔“ بھٹی نے بڑے یعنی سے کہا۔ ”ضرور کوئی نالہ بھٹی ہوئی ہے۔“

”کیا تم نے آج کوئی گرفتاری کی ہے؟“ خالد نے پوچھا۔

”ایک گھنٹہ پہلے میں ایک لڑکے کو پکڑ کر لایا ہوں لیکن اس نے تو سرکاہ نہیں لیا۔“ بھٹی بولا۔

”نام کیا ہے اس کا؟“ اس بار دلدار بخش نے گفتگو میں مداخلت کی۔

”اس کا نام شمشاد ہے تھی۔“ بھٹی بولا۔

”یہاں نام ہے میرے بیٹے کا۔“ دلدار بخش نے بہت ہو کر کہا۔

”تم نے اس کی جرم میں گرفتار کیا ہے؟“ خالد قریشی اسے تیرنگر دلے سے گھوڑتے ہوئے بولا۔

”سر جی۔ اس نے ایک لڑکی کے چہرے پر تیزاب پھینکا ہے۔“ بھٹی نے فرد جرم بتائی۔

”تیزاب پھینکا ہے، میرے بیٹے نے؟“ دلدار بخش کے لیے یہ جنمکانہ اعصاب شکن تھا۔

”بھٹی۔ شمشاد کو نورا لے کر ادھر آؤ اور اپنے دماغ میں یہ بات اچھی طرح بھالو کر تم نے شمشاد کو گرفتار نہیں کیا۔ اس کی جگہ کوئی اور لڑکا ملاش کر د۔ چلو جلدی کر د۔“ خالد قریشی نے حکم دیا۔

”جی سر۔ بہت اچھا۔“ بھٹی نے مرے ہوئے لہجے میں کہا اور حکم کی تھیل کرنے کے لیے کرے سے لکھ گیا۔

بھٹی کے جانے کے بعد خالد قریشی نے اس سے مغدرت کی۔ ”یار، معاف کر تھلٹھی ہو گئی۔“

”کوئی بات نہیں یار۔“ دلدار بخش منون لہجے میں بولا۔ ”تلٹھی میرے بیٹے کی ہے کہ اس نے اپنا تعارف کیوں نہیں کرایا۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ جرم اسی سے ہوا ہے۔ شاید وہ شرمندگی کی وجہ سے میرا نام نہیں لے سکا۔ وہ تو اچھا ہوا کہ کسی طرح بھٹاکی کی گرفتاری کا علم ہو گیا۔ درنہ میڈیا پر خبر آنے کے بعد جان چھڑا ہا مشکل ہو جاتی۔ یار تیرا بہت شکری۔ تو نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔“

”کوئی بات نہیں یار۔“ خالد قریشی بولا۔ ”لیکن تجھے کیسے ہا چلا کر تیرا بینا بیباں ہے؟“ خالد قریشی کا تجسس جا گا۔

جواب میں دلدار بخش نے مائی چیکھی کے بارے میں بروہ بات بتا دی جو اس کے علم میں تھی۔

”اس کا مطلب ہے کہ وہ خاصی کام کی عورت ہے۔“ خالد قریشی نے ساری داستان سن کر اپنی رائے سے نوازا۔ ”تو خواہ نتوادا اس کی جان کا دشمن ہوا ہے۔“

دلدار بخش نے سوچا۔ خالد قریشی نمیں کہتا ہے۔ اسی چیکھی داشتی کام کی عورت ہے۔ اگر وہ تھیل پر شمشاد کی گرفتاری کا منظر نہ دکھائی، تو وہ کس طرح اسے تھانے سے کھن سے بال کی طرح نکال کر لے جا سکتا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ مائی چیکھی نے یہ کارروائی اپنی جان بروہ نے کر لیتی تھی، لیکن اگر یہ نہ ہے تو وہ کام کو نکال دے پہنچا دیا تھا۔ ایک تو اسے خواہ نتوادا تھیں ہوئے۔



اور پھر نئی شارنے حیرت انگیز منظر دیکھا کہ نازمین کسی سوارے کے بغیر بیڈ سے اتر کر سیدھی کھڑی ہو گئیں۔ انہوں نے دوپٹہ سر پر رکھا تھا۔ بلکہ سماں گھست نکلا اور نئی شارکی طرف دیکھ کر بولیں۔ ”آئیے جلیں۔“

پھر دیساں ہوا جیسا پروفیسر جاہد نے کہا تھا۔ دو بڑے طمیان سے چلتی ہوئی ڈرائیکٹر دم میں داخل ہوئیں۔ نازمین کو بغیر سوارے کے یوں آتا ویکھا تو شاریوب بولتے بولتے رک گئے اور حیرت زدہ نظر وہن سے اپنی بہو کو دیکھنے لگے۔

”بیٹھئے بیٹا۔“ پروفیسر جاہد نے سامنے والے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

نازمین بہت ادب سے سکرا کر سوت کر بیٹھئے گئیں اور سر قدر رے جھکا لیا۔

پروفیسر جاہد نے چند لمحوں کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں۔ پھر یہ لخت آنکھیں کھول کر نازمین کے چہرے کی طرف دیکھا۔ نازمین کا آدھا چہرہ دوپٹے سے ڈکا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے ہاتھوں کی طرف توجہ کی اور کہا۔ ”بیٹا۔ ذرا اپنا بایاں ہاتھ آگے کے ججھے۔“

نازمین نے اپنا بایاں ہاتھ جو چڑیوں سے بھرا تھا ہموز اس آگے کر دیا۔

پروفیسر جاہد نے ہاتھ کے ہاتھوں کو بغور دیکھا۔ پھر ان کی نظر انکوٹھے کے ہاتھ پر جم گئی۔ دو کھو دی رہا خون دیکھتے رہے اور پڑھتے رہے۔ پھر بولے۔ ”آپ کو کیا تکلیف ہے؟“

اس سے قہقہ کہ نازمین کوئی جواب دیتیں، شاریوب بول پڑے۔ ”ہماری بہو کے گھنٹوں میں شدید تکلیف ہے۔ یہ.....“

”شار صاحب۔ میں نے آپ سے تو یہ سوال نہیں کیا۔“ پروفیسر جاہد نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔ ”یہ سوال میں نے آپ کی بہو سے کیا ہے۔ انہیں بولنے دیجئے۔“

”اس وقت تو مجھے کوئی تکلیف نہیں۔“ نازمین نے دیکھے لجھ میں جواب دیا۔

”سمندر بہت اچھا لگتا ہے آپ کو؟“ پروفیسر جاہد نے پوچھا۔

”جی۔“ نازمین نے مختصر اجواب دیا۔

”سمندر پر گئے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا؟“

”کافی دن ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ آٹھ دس میینے ہو گئے ہوں گے۔ میں شادی سے پہلے اپنی فٹلی کے ساتھ پنک پر باکس بے گئی تھی۔“ نازمین نے کچھ اس انداز میں جواب دیا کہ ہر اس سوال کا جواب آگیا جو پروفیسر جاہد کے ذہن میں تھا۔

”ٹھیک ہے بیٹا۔ آپ جائیے۔“ یہ کہہ کر پروفیسر جاہد نے پھر نئی شارکی طرف دیکھا۔ ”آپ بھی جائیے۔“

جب نازمین اور نئی شارکر دم سے نکل گئے تو پروفیسر جاہد نے شاریوب کو سکرا کر دیکھا اور بولے۔ ”پیارے بھائی۔ دیکھنے میں کچھ وقت لگتا ہے تا۔ پھر یہ ہماری بہو کا معاملہ تھا، اس پر خصوصی توجہ درکار تھی۔ اب میں نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔ آپ حکم کریں تو کچھ عرض کروں؟“

”جی۔“ پروفیسر صاحب فرمائے۔ ”شاریوب نے سخیگی سے کہا۔

جواب میں پروفیسر جاہد نے جو فرمایا وہ خاصا بہوش رہا تھا۔

0.....0.....0

دو دس پولیس والوں کو واپس گھر کے دروازے پر دیکھ کر مائی ٹکھی مسکراتی۔ دلدار بخش کا انداز بالکل بدلا ہوا تھا۔ دو جو اس کے قتل کے درپر تھا، اب خود ”متول“ ہو گیا تھا۔ دلدار بخش کے ساتھ جو پولیس والا تھا، اس کا روپیہ بھی ”ندویان“ تھا۔

مائی ٹکھی دوں کو اندر لے آئی۔ اس نے دیوار سے چار پائی کو دیوار سے ہنا کر دوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دلدار بخش اور خالد قریشی دوائیں باسیں سرہانے کی طرف بیٹھ گئے۔ مائی ٹکھی پائیتھی کی جانب پنپی پر بیٹھ گئی۔ خالد قریشی بخوراں ”بوجپے روزگار“ بڑھایا کو دیکھ رہا تھا۔ دلدار کے مقابلے میں اس کا مشاہدہ زیادہ تھی تھا۔

اسی سال کی ایسی چاق و چوبنڈ بڑھا جس کی کرتیر کی طرح سیدھی اور آنکھوں میں مردنی کے بجائے بھر پور زندگی تھی۔ ایسی بڑھیا اس نے آج تک نہ ڈیکھی تھی۔ یہ بڑھیا سے بڑے کام کی نظر آئی۔

”او۔ مائی، تیرا نام کیا ہے؟“ دلدار بخش نے بڑے زم لجھ میں پوچھا۔

”بڑی جلدی تھے میرے نام کا خیال آگیا۔“ مائی ٹکھی نے طڑا کہا۔

”کسی نے بتایا تو تھا، پر میں بھول گیا۔“ دلدار بخش نے بات بنائی۔

”کا کا۔ میرا نام ٹکھی ہے۔“ مائی ٹکھی نے بتایا۔ ”سب مجھے مائی ٹکھی کہتے ہیں۔“

”مائی ٹکھی تیرا شکر یہ۔“ دلدار بخش نے مخالی کا ذباہ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ”تو اس دن کمال نہ کھاتی تو میرا بتا تو گیا تھا جیل میں۔“

”کا کا۔ یہ کون ہے؟“ مائی ٹکھی نے خالد قریشی کی طرف اشارہ کیا۔

”مائی ٹکھی۔ یہ میرا دوست ہے، تھا نے دار خالد قریشی۔ یہ تھوڑے ملنے کا خواہش مند تھا۔“ دلدار بخش نے تعارف کرایا۔ پھر مخالی کا ذباہ کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

”یہ تیرے لیے مخالی لایا ہوں۔ لا ہو رک سے بڑی دکان کی ہے۔“

”مائی ٹکھی نے ذباہ کے ہاتھ سے لے کر چار پائی پر رکو دیا اور بولی۔“ ”کا کا۔ میں آدمخالی نہیں کھاتی۔“

”مائی ٹکھی کا جواب سن کر خالد قریشی کی نوک زبان پر بے انتیار جملہ آیا۔“ تو پھر یہاں ہر کھاتی ہے۔ ”لیکن وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اور بولا۔“ ”مائی ٹکھی، پھر تو کیا کھاتی ہے؟“

”کا کا۔ میں سکھیا کھاتی ہوں۔“ ”مائی ٹکھی نے بڑی سادگی سے کہا۔

خالد قریشی بڑا حیران ہوا۔ اس کا مطلب ہے اس نے جو سوچا، جو سوچا تھا۔ پھر بڑھی اس نے دنیا چاہی۔ ”سکھیا یعنی زبر۔“

”بیان۔ سکھیا کے مطابق میں انہوں بھی کھاتی ہوں۔ میں تو یوں سمجھ لے مخالی میرے لئے زبر ہے۔“

”پھر ہیر و نیا کر۔“

”ہش۔“ مائی ٹکھی عجیب انداز میں بولی۔ ”ہیر و نیا بچے پہنچتے ہیں۔ کا کا۔ اگر تھجے کہیں سے اصلی انہوں میں جائے تو لے آتا۔“

”مائی ٹکھی۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں۔“ دلدار بخش نے کہا۔ ”اچھا۔ مخالی نہیں کھاتی تو نہ کھاتی۔“

”اچھا۔“ مائی ٹکھی نے ذباہ کو تو اس میں مخالی کے اور پاک لغاڑ رکھا اور کھاتی دیا۔ اس نے پوچھا۔ ”کا کا۔ اس میں کیا ہے؟“

”مائی ٹکھی۔.... کھول کر دیکھے گی تو پاہنچے ہوں۔“ دلدار بخش بولا۔

”مائی ٹکھی نے لغاف کھول کر دیکھا تو اس میں ہزار روپے کے پانچ نوٹ رکھنے تھے۔ مائی ٹکھی نے لغاف جوں کا توں بند کر کے مخالی پر رکھا اور بنس کر بولی۔“ ”کا کا۔ پولیس تو

رشوت لیتی ہے۔ یہ اس نے دینا کب سے شروع کر دیا۔“

”مائی ٹکھی پولیس بھی انسان ہے۔ اس کی بھی کہیں گوٹ سخن سکتی ہے۔“ خالد قریشی بولا۔

”اس کا مطلب ہے کہ تم لوگوں کی کوئی گوٹ سخنی ہے۔ تبھی مخالی اور پرے لے کر آئے ہو۔ او، کا کا۔ یہ اخاءیرے سامنے سے۔ سمجھے پیر جا یہے نہ مخالی۔ جل اپنا کام بتا۔“

جب خالد قریشی نے کام ہتھیا تو مائی ٹکھی کے چہرے پر کم اک گزر گئے۔

وہ سوچنے لگی۔ پولیس والے کس قسم کا کام اس کے پاس لے کر آئے ہیں؟ اگر کوئی قلمی ہیر دئن کسی بھی محفل میں رقص کرنے کے لئے راضی نہیں تو وہ اسے کیسے مجبور کر سکتی ہے۔  
”او۔ کا۔ کا۔ وہ تم پولیس والوں کے قابو نہیں آتی تو میں بھلا کیا کر سکتی ہوں۔“ مائی پیٹکھی کو بالآخر کہنا پڑا۔

”اس کی تائیج بہت اور پرستک ہے۔ سمجھو رہی ہے تا تو بات کو۔ ہم اگر کوئی ہمکنہ استعمال کریں تو لینے کے دینے پڑ سکتے ہیں۔“ خالد قریشی نے اندر کا حال کھولا۔  
”تو پھر اس کی جان چھوڑ دو۔ ناپنے والیاں بہت۔“ مائی پیٹکھی نے اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی۔

”مائی پیٹکھی۔ نہیں ناپنے والیوں کا ہم نے انتظام کر لیا ہے۔ یہ سرکاری افسروں کی خاص محفل ہے۔ سب سے اوپر افرکی فرمائش ہے کہ سیرا کو ہر قیمت پر شامل کیا جائے۔“ خالد  
قریشی نے اپنی بے بسی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”مائی پیٹکھی! تو کچھ ایسا کام دکھادے کہ وہ جانے پر مجبور ہو جائے۔“  
”اے اچھے پیسے دو۔ چلی جائے گی۔“ مائی پیٹکھی اپنے پردوں پر پانی نہیں پڑنے دینا چاہتی تھی۔

”میں نے خود اسے منہ مانگے ہیں کی پیکش کی ہے، پر وہ ہیں کی بات ہی نہیں کرتی۔ وہ کہتی ہے کہ مجھے ایک کردڑو پے دے گے تب بھی نہیں جاؤں گی۔ میں بھی مخالفوں میں  
پر فارم نہیں کرتی۔ مائی پیٹکھی، بڑی خرچی ہے وہ۔“ خالد قریشی نے بتایا۔

”اب تو کیا چاہتا ہے کہ میں اس کے خرچے توڑ دوں؟“ اس نے اپنی چکلی آنکھوں سے خالد قریشی کو دیکھا۔

”ہاں مائی پیٹکھی، یہ ہوئی تباہات۔ کچھ ایسا کر دے کہ وہ انکار نہ کر سکے۔“

”اچھا جعل تو بھی کیا دکرے گے۔“ مائی پیٹکھی اپنی جون میں آگئی۔ ”لا۔ ایک کانندے مجھے۔ سادہ، کچھ لکھانہ ہواں پر۔“

خالد قریشی نے اپنی جیسیں کھنگال ڈالیں۔ جیسوں میں کانندہ تو تھے لیکن سادہ نہ تھے۔ تب دلدار بخش نے اپنی قیسیں کی جیب سے چھوٹی ڈائری ٹکالی اور بولا۔ ”مائی۔ اتنے بڑے کانندہ  
سے کام چل جائے گا؟“

مائی پیٹکھی نے کھلی ہوئی ڈائری پر ایک نظر ڈالی اور کہا۔ ”ہاں۔ کا۔ کا۔“

دلدار بخش نے ڈائری کا سادہ درق پھاڑ کر مائی پیٹکھی کی طرف بڑھا یا۔

مائی پیٹکھی کانندہ ہاتھ میں تھام کر چار پائی سے انھی اور بغیر کچھ کہے اندر کرے میں چاہیں۔

کچھ دری کے بعد جب وہ واپس آئی تو کانندہ کی چارتہبہ کر کے اس پر کالا دھاما کلپینا ہوا تھا۔ اس نے دھاگے میں لپٹا ہوا کانندہ خالد قریشی کی طرف بڑھا یا اور تنہیں انداز میں بولی۔ ”لے  
کا۔ کا۔ یہ پر یہ پڑاں کو دے دینا۔ کیا نام ہے اس کا؟“

”سیرا۔“ خالد قریشی جلدی سے بولا۔

”ہاں۔ سیرا۔“ مائی پیٹکھی کو یاد آیا۔ ”بے شک وہ مجھے نہیں جانتی لیکن اس سے کہنا ہی کہ مائی پیٹکھی نے مجھے نہیں کہنا۔ میری ایک بات تو  
غور سے کن لے۔ اگر تو نے اسے کھول کر دیکھنے کی کوشش کی تو پھر تجھے ناقابل تلافی نہ صرانہ تائیج سکتا ہے۔ میرے پاس لوٹ کر مت آتا۔“

”نہیں میں ایسی غلطی ہرگز نہیں کروں گا۔ پر مائی وہ جانے پر راضی ہو جائے گی؟“ خالد قریشی نے تصدیق چاہی۔

”یہ تو اسی وقت پا چلے گا جب تو یہ پر یہ پڑاے دے گا۔“ مائی پیٹکھی نے اقرار نہ کیا۔

”نیک ہے مائی۔ ہم اب چلتے ہیں۔ تیرا بہت شکر یہ۔“ خالد قریشی انھا تو اس کے ساتھ دلدار بخش بھی کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے مخلانی کاڑ بانہ اٹھایا۔

جب وہ جانے لگے تو مائی پیٹکھی نے یکچھ سے آداز گا کر کہا۔ ”کا۔ کا۔ یہ مصیبت انھا ڈیباں سے۔ میری طرف سے اپنے بچوں کو کھلا دینا اور یہ پیسے پل پا کر ختم کر دینا۔“

”اچھا۔ مائی پیٹکھی جیسی تیری مرمنی۔ ہم تجھے ناراض نہیں کرنا چاہتے۔“ خالد قریشی خوشامد انہے لیکھ میں بولا۔ ”میں بہت جلد تیرے لئے اعلیٰ قسم کی انبوں لے کر آؤں گا۔“

”ہاں۔ کا۔ کا۔ یہ نیک ہے۔“ مائی پیٹکھی کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

جب وہ دونوں گاڑی میں بیٹھنے لگے تو دلدار بخش بولا۔ ”اویار، یہ مائی نے کیا تعودیہ سا پکڑا دیا۔ تیرا کیا خیال ہے کہ سیرا اسے کھول کر دیکھے گی؟“

”یہ بات خود میری سمجھ نہیں آرہی۔ کہیں میں، مذاق نہ بن جاؤں۔“ خالد قریشی بے تینی سے بولا۔

”اس پر یہ پڑ کو کھول کر نہ دیکھ لیں۔“ دلدار بخش کے اندر کا تجسس جا گا۔





ہونے کی خرد رت نہیں۔ پانی کی ایک بولی منڈا۔ میں پانی دم کر دیتا ہوں۔ بہرہ وہی تیرے ہے۔ پانی فتح ہونے لگتا ہی میں اور ملائے نجیک ہے۔ میں ہمیک بات اور.....“  
پھر جو بات پر فیسر بجا بدنے بتائی، وہ خاصی چونکا دینے والی تھی۔

☆.....☆.....☆

ادھر لدار بخش اور خالد قریشی کی گاڑی نے تلا بازی کھائی اور ادھر اپنی پیٹھی کو ملے سے لکیر کچھنی کچھنی رک گئی۔ اس نے اپاک ایک زور دار دھاکے کے ساتھ آگ کے شعلے اشتبہ دیکھے۔

”نمیں مانے ہے۔ اب بھتو۔ زندہ جلوہ اگ میں۔“ مائی پیٹھی شمعے سے بولی۔

اڑادو چار پائی پر بیٹھی، مائی پیٹھی کو بغورد کیھرہ تھی۔ اس نے اڑادو کو آج کی رات دوسرا اگر دکھانے کی بات کی تھی۔ مائی پیٹھی چو گمراہ بچھی تھی، ساتواں ہنانے جا رہی تھی کہ یہم غمے میں آگئی۔

”ماں کیا ہوا؟ کیوں غصہ کر رہی ہے؟“ اڑادو نے پوچھا۔

”انجو۔ دو پولیے ہیں۔ منج کیا تھا کہ کافی نہیں مانے۔ اب بندگاڑی میں پڑے جھلس رہے ہیں۔ میں کیا کروں؟“ مائی پیٹھی بولی۔ ”اچھا جل دفع کر انہیں۔ آج ہم اپنا کمیل شروع کرتے ہیں۔“

اس نے پھر ساتواں گمراہ مکمل کیا اور پھر سزاوار کر بینچے گئی اور اڑادو سے بولی۔ ”چل انجو۔ چل آجا۔ دوسرے گمراہ میں بینچے جا۔“

اڑادو اسی انداز میں جس طرح مائی پیٹھی بیٹھی تھی، دوسرے گمراہ میں برا جہاں ہو گئی۔

مائی پیٹھی نے گلے سے بھاری تھویڈہ اتار کرے باسیں ہاتھ پر رکھ کر سمنی بختی سے بند کر لی اور اڑادو سے بولی۔ ”دیکھا جو بخود کیے۔“

یہم اڑادو کے سامنے ایک منظر تھا۔ ایک تیرہ چودہ سال کی لڑکی اسکول یونیفارم میں کندھے پر بیگ لٹکائے گلی میں جاتی نظر آئی۔ یہ ایک پوزی گلی تھی، آئنے سامنے گمردن کے دروازے تھے، چھوٹے چھوٹے گھر، نیچے تو سط طبیعت کی بستی۔

یہ تیرہ چودہ برس کی لڑکی نویں کلاس کی طالبہ تھی۔ اٹھان اچھی بینڈ اپنی عرب سے دو برس بڑی نظر آئی تھی۔ گوری چمی، دکش آنکھیں، سکور کن سراپا۔ گلے کے ہر لڑکے کی اس پر نظر تھی لیکن وہ اپنی نظریں بیشہ پنچی رکھتی۔ اسے معلوم ہی نہ ہوتا کہ کون اتنا کہاں کھڑا ہے اور کون اس کے چیچے چل رہا ہے۔ گلی کے آخر میں ایک چھوٹا سا چوک تھا، وہاں دو چار دکانیں تھیں۔ انہی میں ایک پنواڑی بھی تھا۔ باپ کے اپاک انتقال کے بعد اس کے سولہ سترہ سالہ لڑکے نے دکان سنجال لی تھی۔ اس کی دکان پر گلے کے لو جوان اور باش لڑکے کھڑے رہتے تھے جو ہر آنے جانے والی لڑکی کو کہاں پر کوئی جملہ کہنا یا کوئی ہاتھ نا گا کر اپنی نا آسودہ خواہشون کا انکھار کرنا فرض اولین سمجھتے تھے۔

نویں کلاس کی یہ طالبہ انشاں ان کے خامس نشانے پر تھی لیکن اس کی شرافت کے سامنے اُن کی کوئی پیش نہیں چل رہی تھی۔ انشاں اپنی پڑوی لڑکی طاہرہ کے ساتھ اسکول جایا کرتی تھی۔ طاہرہ کو نظریں پنچی رکھنے کی عادت نہ تھی۔ دو اسکول جاتے ہوئے اور گرد کھڑے لڑکوں کے بارے میں اپنی ”رنگ کشی“ جاری رکھتی تھی۔ انشاں اس کو کتنا ہی ٹوکتی لیکن اس کی ”صحت“ پر کوئی اثر نہ پڑتا۔

اس ”کشی“ کا نتیجہ یہ تھا کہ انشاں کے کان، آنکھیں بن گئے۔ دو کافی عرصے سے کسی اسد تھی لڑکے کے بارے میں سرہی تھی جو ان کے تعاقب میں رہتا تھا لیکن اس نے کبھی کوئی اچھی حرکت نہیں کی تھی۔ دو بس ناموشی سے ان کے چیچے چلتا اور اسکول سے والیں لوٹ جاتا تھا۔ طاہرہ اکثر اسے اسکانی نظریں انھا کر اس کی طرف دیکھنے کی فرائش کرتی۔ یہ بادر کرنے کی کوشش کرتی کر دے مرف انشاں کے لئے آتا ہے۔ انشاں ان باتوں کو ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے نکال دیتی۔

طاہرہ نے جب دیکھا کہ انشاں کے دل کا موم پھٹلاتی ہی نہیں تو اس نے ایک نیا ٹکلی کھلایا۔ ایک دن بے چین طاہرہ نے اپنے پاس سے گزرتے اُسد سے بڑے رسانے کے کہا۔ ”یوں آخر کب تک پچھا کئے جاؤ گے، کچھ منہ سے تو بولا؟“

طاہرہ کی اس حرکت پر انشاں نے اس کے زور سے چکلی لی۔ دو بلباٹی۔ ”مجھے کیوں نوچتی ہے، اس کوئے سے کیوں نہیں پوچھتی؟“ پھر یہم خیال آیا۔ ”کیا ہمیں یہ چیز گورنگاہ ہوئے۔“

اسد مکراہا ہوا آگے بڑھ گیا۔ دو کچھ نہیں بولا۔

اس کے آگے جانے کے بعد انشاں نے طاہرہ کی اچھی خاصی خبر لی۔ اسے شدید نصراہ یا اور اس غمے میں اس نے طاہرہ سے دو تی توڑی۔

آج وہ ایکلی اسکول گئی اور داہم آئی تھی۔ اسے سب سے زیادہ پریشانی پان کی دکان پر کھڑے لڑکوں کے قریب سے گزرتے ہوئے ہوتی تھی۔ طاہرہ ساتھ ہوتی تو وہ بہت کر کے دہاں سے گزر جاتی تھی۔ آج اسکول جاتے اس دکان کے سامنے سے گزرتے اسے پہنچ آگئے تھے۔ ایک دلڑکوں نے اس کا پچھا بھی کیا تھا۔ انہی میں سے کسی لڑکے نے فلمی مکالے بولتے ہوئے اس کا دو پڑھ کچھنے کی کوشش کی تھی۔

زندگی ای اسد موجود تھا۔ وہ دکھ کا اچھا تھا۔ اس نے اس سو کھڑے لڑکے کی اچھی خاصی پہنچ کر دی اور اسے بخناقت اسکول تک چھوڑ کر گیا۔

اسکول کے گیٹ کے زندگی پنچ کر انشاں چند لمحوں کے لئے رکی۔ جیسے ہی اسدا اس کے قریب آیا، اس نے ہمیں بار نظر اٹھا کر اسدا کو دیکھا اور دھیرے سے بولی۔ ”آپ کا شکریا!“ پھر شکریا دا کر کے دو بائی رک نہیں۔ اس نے اسدا جواب بھی سننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اسدا اچھے ہیں ڈل کا انحراف انس سال کا جیبہ لڑکا تھا۔ وہ ایک نظر میں اس کی آنکھوں میں بس گیا۔ اس کے بعد خطوط کا سلسلہ شروع ہوا اور چلتا رہا۔

انشاں میزک میں پنچ گئی۔ اب اسے سوتے جا گئے، لمحتے بینختے، کھاتے پیتے، ہر وقت ہر جگہ اسدا کا خیال رہنے لگا۔ اس کے اندر کی کیفیت بدلتی۔ دو جو ان معاملات سے دوڑ بھاگتی تھی، اب اس ”معاملے“ میں اندر تک اتر گئی۔ طاہرہ سے پھر دستی ہو گئی۔ جو باتیں اسے پہلے بڑی گلی تھیں، اب دو تین اچھی لگنے لگیں۔ اپنے دل کا حال تمام کہنے کے لئے اس نے طاہرہ کو رازدار بنا لیا۔

اسد نے اب بابر لئے کا تھا ضارب کیا۔ اس کے بے حد اصرار پر دو طاہرہ کے ساتھ ایک پارک میں ملے گئی۔ طاہرہ پارک میں جا کر الگ ہو جاتی اور دو دنوں کی تباہی پر جا بینتے۔ ایسا دو تین بار بوا۔ اسدا کو طاہرہ کی موجودگی کنکتی تھی۔ دو چاہتا تھا کہ طاہرہ ان کی ملاقاتوں میں حاصل نہ ہو لیکن انشاں خوفزدہ رہتی تھی۔ طاہرہ کی وجہ سے اسے تعظیت حاصل تھا۔

انشاں کے والد اور بھائی ایک گھر منشی کیشی میں ملازم تھے۔ دیکھے جانے کی صورت میں اس پر قیامت ثوٹ کی تھی۔

ایک دن اسکول سے چھٹی کے بعد اسکول سے باہر لٹکی تو اسدا گاڑی نے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے انشاں اور طاہرہ کو ساتھ بھایا۔ راستے میں اس نے انشاں کو بتایا کہ وہ اسے اپنی بڑی بہن سے ملاتا چاہتا ہے۔ دو اس سے ملنے کے بعد اسی سے سفارش کریں گی۔ پھر اسی اب اس کے گھر آئیں گے۔ یہ ایک اچھی خبر تھی۔

انشاں چاہتی تھی کہ طاہرہ بھی ساتھ چلے لیں گے اس نے جانے سے انکار کر دیا تو اسدا نے طاہرہ کو گھر کے زندگی پر اسرازے لے کر آگے بڑھ گیا۔

اسدا ایک باتوں لڑکا تھا۔ دراستے میں بھر انشاں کو شادی کے خواب دکھاتا آیا۔ انشاں بہت خوش تھی کہ اس کی زندگی میں ایک ایسا لڑکا آیا تھا جس نے اس سے کبھی کوئی غیر اخلاقی بات نہ کی تھی، اب وہ اسے بڑی بہن سے ملانے لے جا رہا تھا کہ شادی میں حاصل رکا نہیں درہ بول۔

جب دو دنوں بینتے مکراتے میں میاں چڑھتے آخری لمحے چوتھے فلور کے ایک فلیٹ کے دروازے پر پہنچتے تو اسدا نے ایک ایسی حرکت کی کہ انشاں پریشانی میں جلا ہو گئی۔

اور بات تھی بھی پریشانی کی۔

اسد نے جیز کی جب سے ایک بھی چابی نکالی اور دروازے میں لگتے تا لے کے سوراخ میں ذال دی اور اسے دیکھ کر مسکرا یا۔

”یہ آپ کی بین کا گھر ہے؟“ انشاں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”ہاں۔“ اسد نے پورے اعتماد سے چابی گھمائی۔

”وہ کہاں ہیں اور ان کے گھر کی چابی آپ کے پاس کیوں ہے؟“ انشاں کی گھبراہٹ بدستور تھی۔

اسد دروازہ کھولتے کھولتے رک گیا اور اس کی طرف پشتے ہوئے بولا۔ ”بائی! ایک اسکول میں بیڈ مسٹریں ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر مجھے اسکول سے آنے میں دیر ہو جائے تو پریشان نہ ہونا، سیڈ پلی کیٹ چابی رکھا، دروازہ کھول کر الہمینا سے بینجھانا اور انشاں کو کوئلہ رک پناہ بھوننا۔“ اتنا بول کر اس نے انشاں کی طرف دیکھا۔ ”اب تم بینھنا نہ چاہو تو وہ اجس چلتے ہیں۔“ یہ کہہ کر اس نے انشاں کے جواب کا انتظار نہ کیا۔ دروازہ لاک کیا اور سیر چیزوں کی طرف تدم بڑھا یے۔ ”آڑ چلیں۔“

”نبیس اسد۔ بائی برما نیں گی۔ کچھ بیانت کار کر لیتے ہیں۔“ انشاں بولی۔

”جیسی تہماری مرثی۔“ یہ کہہ کر اس نے تیزی سے تا لے میں چابی گھمائی اور دروازہ کھول کر اسے اندر آنے کی جگہ دی۔

جب وہ اندر آگئی تو اسد نے لاڈنخ کی لائٹ روشن کی۔ اگر چہ یہ دوپہر کا وقت تھا لیکن فلیٹ میں اندر میرا تھا۔ لاڈنخ میں چار کرسیوں والی چھوٹی ششی کی ڈائینگ نیمل پڑی تھی۔

نشاں نے اپنا بیگ نیمل پر رکھا۔ لاڈنخ میں چاروں طرف نظریں گھما میں۔ اسد نے دروازہ لاک کیا اور چابی تا لے میں لگی چھوڑ دی۔ پھر اس نے ڈرائیکر دم کی لائٹ جلائی اور انشاں سے پوچھا۔ ”کہاں بینیس گی محترمہ؟“

”اسد، ہمیں بینجھ جاتے ہیں۔“ انشاں ڈائینگ نیمل کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ وہ چاہتی تھی کہ دروازے کے قریب رہے۔

”اس کا مطلب ہے کہ انشاں صاحب کو خاصی بھوک لگی ہے۔“ اسد نے شرات سے کہا۔

”نبیس۔ جتنی لمحے کیلی بات نہیں۔“ انشاں چوری بن گئی۔

”بائی کا گھر دیکھ لو۔ پھر جہاں دل چاہے بینجھ جانا۔“ اسد نے بیندر دم کی طرف تدم بڑھا یے۔

اس فلیٹ میں دو بیندر دوڑتے۔ فناست سے بچے ہر کمرے سے بہن کا سلیقہ جھکتا تھا۔ اسد بیندر دم کی لائٹ جلی چھوڑ کر اسے لاڈنخ میں لے آیا اور بولا۔ ”تی انشاں، کہاں بینیس گی؟“

”تینک بینجھ جاتے ہیں۔“ انشاں نے ڈائینگ نیمل کی ایک کرسی کھینچتے ہوئے کہا۔

”بھی اس سے پہلے کہ بائی آ جائیں، ہمیں کوئلہ رک پنی لئی پانی چاہئے۔ درندہ آتے ہی میری پانی کریں گی۔ آخر کو دہ بیڈ مسٹریں ہیں۔“ اسد فرنچ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ انشاں سکرا کر رہ گئی۔

اسد نے خندے شرودب کی بوٹی نکالی۔ اس میں مشکل ایک ذیز ہد گلاں شرودب نظر آ رہا تھا۔ اس نے دو گلاں اور بوٹی میز پر رکھی، ذکھن کھول کر شرودب گلاں میں اندازیا۔ اس بوٹی میں اتنا ہی شرودب تھا کہ گلاں بھر سکا۔

بھرا گلاں اسد نے انشاں کی طرف بڑھا یا۔ ”لبھے محترم! آپ شرودب کیجئے۔“

”میں اسکیلی پیٹیوں گی کیا؟“ انشاں دوسرے خالی گلاں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔ ”آدھا آدھا کر لیتے ہیں۔“

”ارے نہیں۔“ اسد خالی گلاں اپنے تینے میں کرتے ہوئے بولا۔ ”فرنچ میں ایک بوٹی اور ہے، میں دو نکالتا ہوں۔“

”وکھلیں۔ بوٹی بے بھی کرنیں۔“ انشاں نہیں کر بولی۔

”ایسا نہیں بوسکتا۔ میری بائی ایسا غیرہ میں کر سکتیں کہ فرنچ میں بوٹی نہ ہو اور پینے کی دعوت دے دیں۔“ اسد نے بڑے لیکن سے کہا۔

فرنگ میں بوج موجو تھی۔ اس نے ڈھکن کھول کر انہا خالی گلاں بھر لیا اور اس کے سامنے آبینہ اور پھر گھری پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ ”پہنیں بائی کب آئیں گی۔ میرا خیال ہے کہ کولدز رنک پی کر نلتے ہیں۔ بندگھر میں بینخے سے کہیں بہتر ہے کہ باہر لٹکس۔ چلو سندھ پر چلتے ہیں۔“

”چلیں گے۔ پہلے بائی سے تول لیں۔“ انشاں کے دل میں خالی نلیٹ دیکھ کر جو بول انھاتھا، واسد کی باتوں کی وجہ سے ختم ہو گیا تھا۔ دنہ سکون بھوئی تھی۔ اسے یقین آمیا تھا کہ اسد جو کبہ رہا ہے، وہ نجیک کہہ رہا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ گھر اسد کی بائی کا تھا۔ مگر بائی نے انشاں کو ملاقات کے لئے گھر بایا تھا یہ سو نیصد جھوٹ تھا۔ بائی بے چاری اپنی نیلی کے ساتھ کوئی نہیں بھوئی تھی۔ چابی دو اپنی ماں کو دے گئی تھی کہ اسد کو بیچ کر گھر چیک کر دالیں کیونکہ بندگھر چوروں اور ڈاکوؤں کیلئے انتباہی کشش رکھتا ہے۔

بین کا خالی گھر دیکھ کر اسد نے ”ڈاکے“ کی منصوبہ بندی کر لی تھی۔ اس وقت ”ڈاکے“ کا پہلا سین جاری تھا۔ کولدز رنک میں پہلے سے خواب آ درود امامی جا چکی تھی۔ ”شکار“ اپنے انعام سے بے خبر خوشی خوشی شردب نوش جاں کر رہا تھا اور ”شکاری“ کی آنکھوں میں گلاں خالی ہوتے دیکھ کر نشہ بڑھتا جا رہا تھا۔

اسد نے گلاں انھا کر مشرد بہ ک آخری گھونٹ لیا اور انشاں کو اس طرح کا تاثر دیا جیسے وہ اس انتشار میں ہے کہ کب انشاں گلاں خالی کرے اور وہ لوگ یہاں سے نکلنے کی تیاری کریں۔

مجلت کے اس ہٹرنے اپنا کام ڈکھایا انشاں نے جلدی جلدی کولدز رنک کے گھونٹ بھرے اور گلاں خانی کر دیا۔

اسد نے دنوں خالی گلاں کھن میں جا کر دھوئے۔ بوج فرنگ میں رکھی اور انشاں کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”ہاں انشاں چلیں۔ بائی تو آئیں نہیں۔“

”جی۔“ انشاں نے جواب دیا لیکن ہے یہ یاد نہ رہا کہ اسد نے اس سے کیا کہا تھا جس کے جواب میں اس نے ”جی“ کہا تھا اس کے دماغ میں غبار سا بھر گیا تھا۔ اس سے قلیں کر دے بے سدھ ہو کر کری سے گرتی، اسد نے اسے تھام لیا اور انھا کر بیندر دم میں لے آیا۔

دو تین گھنٹے کے بعد جب انشاں کو بوش آیا تو اسے اپنی تکی دامنی کا احساس ہوا۔ شکار ہو جانے پر اس کے دل میں شدید نیسی اُخْنی۔ اس کی آنکھیں بے اختیار چھٹک پڑیں۔ وہ تکیے کے میں منہ چھپا کر بک بک کر رونے لگی۔ اپنے لئے کا احساس تو تھا ہی، یعنی اس سے سواتھا کر اسد نے اس کے ساتھ دھوکا کیا تھا، اس کا اعتماد پار و پارہ کیا تھا۔

اسد نے ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگی اور کہا کہ گھری نیند میں اس کا حسن بلا خیز دیکھ کر دخود پر قابو نہ رکھ سکا۔ یہ نہ بتایا کہ کولدز رنک میں نیند کی گولی کس نے ڈالی تھی۔ اس نے بین کے بارے میں بتایا کہ دو اسکول میں نیچر زکی مینگ میں پھنس گئی تھیں، اس لئے آنے سکس۔ یہ نہ بتایا کہ دو اس شہر میں ہی نہیں تھیں اور آئندہ ان سے ملاقات کا کوئی امکان بھی نہیں۔

اسد نے اس کا آنسو پوچھ کر تسلی دی کہ وہ بہت جلد اپنے والدین کو اس کے گھر بھیج گا۔ اگر والدین نہ مانے تو وہ اس سے کورٹ میرج کر لے گا، اسے اپنا بنا لے گا، وہ پریشان نہ ہو۔ لیکن پریشانی تو اس کا مقدار ہو چکی تھی۔ وہ انشاں کو گاڑی میں بٹھا کر اسے گھر کے قریب چھوڑ گیا، ہمیشہ کے لئے۔





غراہ اور ہاتھ، پاؤں مارنے لگا۔

پروفیسر جیا بدنے اس کے چہرے پر چادر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”ثارا یوب، جلدی چلیں۔ یہ مر نے نہ پائے۔“

☆.....☆

کمرے میں جا کر اٹا رہ بیڈ پر بینجے گئی۔ اس کے دل کو سکون نہ تھا۔ بار بار افشاں کا ترپا جسم اس کی نئی ہوں میں آ جاتا تھا۔ اسے اسد پر شدید غصہ آ رہا تھا جس نے معموم افسانوں کو اختیالی عیاری سے اپنے جاں میں پھنسایا تھا۔ سزا تو اسے ملنی چاہئے تھی، تیزاب تو اسے پایا جانا چاہئے تھا۔ اس کا مجی چادر ہاتھا کروہ اور ہنی ہوئی ٹھی جائے اور اسے تیزاب سے بھرے ذمہ میں دھکا دے دے۔ لیکن وہ ایسا کرنیں سکتی تھی۔ اس نے سوچا میں ٹکھی سے بات کرے۔ اس کی مدد سے وہ اسد کے ٹھکانے پر بیٹھ جائے۔

وہ ایک جنکے سے انھی اور کمرے سے باہر نکل آئی۔

مائی ٹکھی چار پائی پر تیسی جاپ میں صرف تھی۔ ازارہ کو کمرے سے باہر آتے دیکھ کر اسے اپنی ٹھیکی کا احساس ہوا۔ وہ ابھی تک آزاد تھی، نہ صرف آزاد تھی بلکہ وہ کمرے سے بھی نکل آئی تھی۔ مائی ٹکھی ہڑبر اکٹھی نہیں اور اسے ڈانٹنے ہوئے بولی۔ ”انجوں تباہر کیوں آئی۔ چل جلدی اندر چل۔ میں تھے زنجیر کروں۔“

”اس۔ کر دینا۔ میں کہیں بھاگی نہیں جا رہی۔“ ازارہ نے اس کی ڈانٹ کی روشنگ کرتے ہوئے کہا۔ ”جسے ایک بات ہتا۔ اس جس لڑکے کی وجہ سے مجھے تیزاب پہنچا رہا، کیا میں اس سے انتقام نہیں لے سکتی؟ اماں تو بڑی بہان ہے۔ بس ذرا مجھے اس لڑکے سکن پہنچا دے۔ میں اسے جدا کرو اپس آ جاؤں گی۔“

”او۔ میری انجوں تو بڑی بھولی ہے۔ یہ گزرے وقت کی باتیں ہیں۔ گزرے وقت کو چھین گئی نہیں جا سکتا۔ لکھتے کرموں کو بدلا نہیں جا سکتا۔ جگز رگیا سے بھول جا۔ ماں میں جا ہاگکن نہیں، اگر تو اس طرح انتقام پر اترے گی تو تیرے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا، تو ادھر کی رہے گی نہادھر کی۔“ مائی ٹکھی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”اماں۔ لیں سیراگی چاہا کر اس کو زندہ آگ میں جلا دوں۔“ ازارہ کو کسی کل جسکن نہ تھا۔

”اس کا مطلب ہے کہ مجھے ٹھیکی ہوئی۔“ مائی ٹکھی بولی۔

”تھے سے بھلا کیا ٹھیکی ہوئی؟“ ازارہ اس کی بات نہ سمجھی۔

”تیرا جیوں تھج پر کھول کر۔“ مائی ٹکھی نے کہا۔

”نہیں اماں۔ ایسا نہ کہ۔“ ازارہ تپ کر بولی۔ ”میں چاہتی ہوں کہ مجھے اپنے بارے میں سب معلوم ہو۔ میں کون ہوں، میں یہ جاننا پاہتی ہوں۔“

”بس سیکھا سوچ کر میں نے تھج پر تیرا جیوں کو گولنا شروع کیا۔ ٹو روز میرے کان کھاتی تھی کہ اماں ہاتھیں کون ہوں۔“ مائی ٹکھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ ”بڑی مشکل سے مجھے اس بات کی اجازت ملی۔ اب میں آئندہ اس وقت ہی تیرے جیوں کے بارے میں کچھ بولوں گی جب تو مجھے سے وعدہ کرے گی۔“

”کیسا وعدہ؟ اماں؟“ ازارہ نے پوچھا۔

”تیکی کہ جو کچھ کو دیکھی گی، اسے دیکھ کر چپ رہے گی۔“

”چل ٹھیک ہے اماں۔ وعدہ کیا۔“ ازارہ نے ہاتھا کھا کر کہا۔ ”پر ایک بات ہے اماں۔ یہ مرد ہم پر کب تک ٹلکم کرتے رہیں گے اور ہم کب تک چپ رہیں گے؟“

”مور کا انجو۔ تو نے ظلم دیکھے ہی نہیں۔ ایک وہ وقت تھا جب لڑکی کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ پتی کے مرتے ہی اس کی تھی کو، اس کے ساتھ چتائیں جادا یا جاتا تھا اور وہ اُنہیں تھی۔“

”عورت یہودہ بوجاتی تو اسے جیتے گی مار دیا جاتا۔ اس کے جذبات پر پھر بر سائے جاتے۔ پر اب وہ کل جیسی عورت نہ رہی۔ مرد اس پر تیزاب پھینکتا ہے تو اب عورت بھی اس پر تیزاب ڈالنے لگی ہے۔ اب یہوی اپنے شوہر کو مار کر اس کا ”سان“ بنانے لگی ہے۔ کل کی امارہ اور آج کی امارہ میں بڑا فرق ہے۔ کل کی امارہ خاموشی سے تیزاب پلی گئی لیکن آج کی امارہ انتقام پر اتر آئی۔ وہ وقت زیادہ درجنہیں جب یہی خالم شوہر سے چمن کاراپانے کے لئے ہاتھ میں تیزاب سے بھری بوس پکڑے گی اور اپنے شوہر سے کہے گی۔ مجھے فوراً اطلاق دے ورنہ میں ٹھیکی ہوں تھج پر تیزاب۔ آج کوئی مرد اسے سکریٹ سے جلا ہے تو کل کوئی عورت گرم چنے سے اس کا جسم واخے گی۔“ مائی ٹکھی اپنی دھم میں بولتی گئی۔

”چھوڑ اماں۔ جانے تو کیا خواب دیکھنے گئی۔“ ازارہ نے سکراتے ہوئے کہا۔ ”دو چار مثالوں سے مانچ نہیں بدلا کرتا۔ سماج بدلتے کے لئے انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے، اور انقلاب مرد لایا کرتے ہیں۔ پھر عورتیں رہیں ہا منتوح کی منتوح۔“

”میری انجو۔ تو نہیں جانتی کہ عورت کس قدر طاقتور ہوتی ہے۔ جب مرد کے اعصاب پر سوار ہوتی ہے تو اس کا سارا انقلاب، سارا نصف، ساری عقلی نہیں میں آ جاتی ہے۔“ مائی

ٹکھی نے بڑے پتے کی بات کی۔ ”عورت کو اپنا آپ کو جانا چاہئے۔ وہ کسی وہ دھاری کو اوارہ ہے، اسے جاننا چاہئے۔ وہ کیسا میحاڑہ ہر ہے، اسے سمجھنا چاہئے۔“

”اماں! ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم دمرے کے مظالم کی توبات کرتے ہیں لیکن خود ٹلکم کر رہے ہوتے ہیں، اس پر غور نہیں کرتے۔“ ازارہ نے یہاں منصوع چھینڑ۔

”انجو۔ کیا کہنا چاہتی ہے۔ صاف بول۔“ مائی ٹکھی نے اسے گھورا۔

”اماں! صاف بول! تو.....ٹو نارض، وجاءے گی۔“

”نہیں ہوں گی نارض۔ تیرے دل میں جو آیا ہے، اسے باہر نکال۔“

”اماں! تو نے مجھے قید کر رکھا ہے، کیا ٹھانیں؟“ ازارہ نے بڑے پیارے ہوئے تھے انداز میں کہا۔ ”ہم مردوں کی توبات کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ عورت پر زیادہ

ٹھان کرتی ہے۔“

”اچھا۔ بہت بول لی، اب چپ کر۔“ مائی ٹکھی آئینے میں اپنی اصل ٹھل دیکھ کر غصہ ہوئے پھر شرہ وہی۔ ”چل اندر..... تو جی ہی ہمی۔“

”تجھے کسی دن پنچہ ماروں گی، پھر پاٹلے ہمیرے لئی ہونے کا۔“ ازارہ یہ بات کہہ نہ سکی۔ بس سوچ کر دگنی اور سوچ، عمل کی ہمیں سیڑھی ہوتی ہے۔

☆.....☆

وہ دونوں اپستال سے باہر نکلے۔ ثارا یوب کے ہاتھوں میں وہ ”شیطان“ موجود تھا۔ چادر میں لپٹا ہونے کے باوجود وہ باتھ پاؤں مار رہا تھا اس میں نوزائدہ پتھے سے کہکش زیادہ طاقت تھی۔

انقلاب سے اپستال کے گیٹ پر ہی ایک خالی رکشال گیا۔ وہ دونوں تیزی سے اس میں موارہ ہو گئے اور تری ہی قبرستان چلنے کو کہا۔ رکشا والانوں اپنے چل پڑا۔

پروفیسر جیا بدنے کے سلسلہ کچھ پر ہو رہے تھے۔ جیسے جیسے وہ پر ہو رہے تھے، وہ غیر انسانی پچاڑ کڑا چا جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں چلانے کے انداز میں تھی آئی جارہی تھی۔

قبرستان ہٹنے کر پروفیسر جیا بدنے کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ شاید قبرستان کا جائزہ دلی اور پھر تیزی سے ایک طرف ٹھل دیئے۔ پروفیسر جیا بدنے کی رفتار بہت تیز تھی۔ ثارا

ایوب کو ان کے ساتھ چنان دو محروم ہو رہا تھا۔

پروفیسر جیا بدنے کا کنسرٹ کھا جو انظر آیا تھا۔ انہوں نے چھاڑ زاٹ اٹھا لیا تھا۔ یہ چھاڑ زاٹ کے ہاتھ میں تھا۔

نوفی قبر کے رہا بڑا ایک اور قبر تھی۔ ان دونوں قبروں کے درمیان اتنی جگہ موجود تھی کہ اس ”شیطان“ کے لئے گڑھا کھودا جا سکتا تھا۔

ثارا یوب نے چاہا کہ پروفیسر جیا بدنے کا شیطان کو اپنے ہاتھوں میں لے لیں تو وہ خود اس کے لئے گڑھا کھود دیں۔ لیکن پروفیسر جیا بدنے نہیں سن کر دیا۔ یہ کام وہ خود کرنا چاہئے تھے۔ یہاں کے گل کا حصہ تھا۔

”پیارے بھائی۔ اس مخصوص کو کب تک گود میں اٹھائے رکھو گے۔ ارے پھیکھو اسے زمین پر۔“ پروفیسر جیا بدنے آئیں چڑھاتے ہوئے کہا۔

ثارا یوب نے چادر میں لپٹا اس غیر انسانی ٹھلوک کو زمین پر لٹا دیا اور وہ ابھی سیدھے کھڑے ہوئی رہے تھے کہ عقب سے ایک کرشت آواز آئی۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے؟“

پروفیسر جاہنے پھاؤڑا چلتے ہوئے مزکر دیکھا۔ نثار ایوب نے ایک نظر چادر میں لپٹے "شیطان" پرڈال جو بڑی تیزی سے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ پھر انہوں نے بھی پیچے مز کر دیکھا۔

چند قدم کے قابلے پر ایک ادھیز عمر گورکن حیران پریشان کھڑا تھا۔

"یاپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔ "قبر گودنی تھی تو ہمیں بتاتے تھے۔ یہ پچ تو زندہ ہے۔" "ثار ایوب۔" پروفیسر جاہد ان سے مخاطب ہوئے۔ "یہ تجربے کا کام گورکن ہے۔ اس نے سیکڑوں مردے دفاترے بول گئے۔ اسے یہ انسان کا زندہ پچھہ بھور رہا ہے۔ ذرا سے، اس کا چہرہ تو دکھادیں۔" یہ کہہ کر دوپرے اٹھینا سے قبر گودنے میں مصروف ہو گئے۔

"آ جاؤ بھائی۔ زندہ پچھہ کیجو لو۔" نثار ایوب نے خوفزدہ کرنے والے لمحے میں کہا۔

گورکن بغیر کچھ بولے دو قدم آگے بڑھا یا اور ہتھی چادر پر نظریں جادیں۔ نثار ایوب نے زمین پر پڑی اس غیر انسانی تھونک کے چہرے سے بہت احتیاط سے چادر بٹائی اور جیسے ہی چادر ہٹی، اس "شیطان" نے ایک غیر انسانی جھی ماری۔ جھی کے ساتھ جب گورکن کی اس پر نظر پڑی تو ہر وقت مردہ کے ساتھ اٹھنے بٹھنے کے باوجود وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ وہ گھبرا کر بولا۔ "ارے جلدی کرو، اس معمیت کو جلدی دفن کرو۔" پھر وہ دباں نہیں نہیں۔

اس کے جانے کے بعد نثار ایوب نے پروفیسر جاہد کے اشارے پر چادر میں اس کا چہرہ اچھی طرح لپیٹ دیا۔ وہ بیٹھ کی چادر تھی جو خاصی بڑی تھی، اس اوزائیدہ "شیطان" کا چادر سے باہر نکل آنکھ نہ تھا۔ لیکن نثار ایوب محسوس کر رہے تھے کہ وہ چادر میں بری طرح پاتھک پاؤں اور رہا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح آزاد ہو جائے۔

تب وہ نثار ایوب سے مخاطب ہو کر بولے۔ "پیارے بھائی۔ اب میں ایک خاص عمل شروع کروں گا۔ آپ چار قدم آگے جا کر پہنچ موز کر کھڑے ہو جائیں۔ آپ کسی صورت یچھے مزکرنہیں دیکھیں گے، چاہے میرے چینی کی آوازی کیوں نہ آئے۔ اذل تو ایسا کچھ نہیں ہو گا، یعنی احتیاط اٹھاتا ہے۔ میں اپنا کام کر کے خود آپ کے سامنے آؤں گا۔ یچھے پھر بھی مزکرنہیں دیکھنا ہے۔ سمجھ گئے تاپیارے بھائی، میری بات؟"

"بھی بکھر گیا۔" نثار ایوب نے پہلے لینین انداز میں کہا۔

"چلیں پھر قدم بڑھائیں۔" پروفیسر جاہد نے ہدایت کی۔

ثار ایوب نے چار پانچ قدم آگے بڑھائے اور پھر تھہر گئے اور یچھے مڑے پیغام بولے۔ "نمیک ہے۔"

"ہاں جتاب نمیک ہے۔" پروفیسر جاہد نے کہا اور چادر میں لپٹے شیطان کی طرف متوجہ ہوئے۔

ثار ایوب پہنچ موز کھڑے کھڑے ہے تھے۔ اُنہیں پروفیسر جاہد کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کچھ پڑھ رہے تھے لیکن اتنی تیزی سے پڑھ رہے تھے کہ کچھ میں اُنہیں اُرہا تھا کہ کیا پڑھ رہے ہے تھے۔

اپاک ایک انجائی تیز چینی کی آواز آئی۔ یہ اسی "شیطان" کی آواز تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ خت تکلیف میں بتا ہو۔ پھر اس جھی میں کئی مرد، عورتوں کی آوازیں شامل ہیں۔ وہ سب جھی چینی کر رہے تھے۔ پھر لیخت ساری آوازیں بند ہو گئیں۔

اب صرف چھاؤڑا چلائے جانے کی آواز آرہی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے پروفیسر جاہد اس گھر میں میں میں ڈال رہے ہوں۔ بلند آواز میں ان کے پڑھنے کی آواز مسلسل سنائی دے رہی تھی۔

گھر ہماجر اپاک کا تھا۔ چھاؤڑے سے مٹی دبارا کر گھر میں کوختن کر دیا گیا تھا۔ اب پروفیسر جاہد اس ہماجر گھر میں کی منی ڈال رہے تھے کہ اس عمل کا آخری حصہ تھا۔

ہر کام اٹھینا بخشن طریقے سے ہو گیا تھا۔ غیر انسانی تھونک زندہ دنیا کا جا چکی تھی۔ مغرب کا وقت قریب تھا۔ قبرستان پر گہرائیا چھایا ہوا تھا اور نثار ایوب شدت سے پروفیسر جاہد کے سامنے آنے کے خطرت تھے۔

پروفیسر جاہد نے ہماجر قبر پر کچھ پڑھ کر تین بار پیارے اسے اپنے ہاتھ مجھاڑے اور چھاؤڑا اٹھا کر نثار ایوب کے مقابل، آگئے اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔ "مبارک ہو پیارے بھائی۔ وہ شیطان کا بچہ دنیا گیا۔ بس اب سکھیں گے۔"

پروفیسر جاہد، نثار ایوب کے ساتھ قبرستان سے نکل آئے۔ راستے میں انہوں نے چھاؤڑا جگاں سے اٹھا کر رہا تھا، دہیں واپس رکھا۔ گھٹ پر گورکن کو کھڑے دیکھ کر انہوں نے کچھ قدم جیب سے نکال کر اس کے دوسرے لگنے کی کہ ہماجر میں پر باک رکھ دے اور گھر میں کوکھو نے کی ہر گز کوشش نہ کرے درنہ اندھا ہو جائے گا۔ وہ بے چارہ پہلے ہی اس کی ٹھنڈی کر خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس کی ٹھنڈی کے نہ کا تھا کہ وہ گھر میں کوکھو کر دو بارہ۔ اس "شیطان" کی ٹھنڈی دیکھتا۔

قبرستان سے باہر آ کر دوسرے کا انتظار کرنے لگے۔ "پیارے بھائی۔ میں اب گھر جاؤں گا۔ آپ نے جو کچھ قبرستان میں دیکھا ہا، وہ سب امانت ہے ہماری۔ یہ راز، رازی ہے۔"

"یہاں کا حال تدریز رہے ہے میں گھر کے لوگوں خصوصاً میں نثار کو کچھ توہتا ہو گئے۔" نثار ایوب نے پوچھا۔

"ہاں۔ بس اتنا کہ اس مردوں کو زندہ دفن کر دیا ہے۔ اب آئندہ نکر کی کوئی بات نہیں۔" پروفیسر جاہد نے کہا۔ اس اثنا میں ایک رکشا آ کر ان کے نزدیک رکا۔ وہ بولے۔

"میرے ساتھ آ جائیں، میں آپ کو اپستال چھوڑ کر گھر نکل جاؤں گا۔ وہاں سب پریشان ہوں گے۔"

اور پھر جیسا کہ پروفیسر جاہد نے کہا تھا کہ بس اب سکھیں گے، تو ایسا ہی ہوا۔ اگلے سال میں نثار کے ہاں سامنہ نے جنم لیا اور اس کے دو سال بعد عابر نے دنیا میں آگئے کھوئی۔ عابر کی آمد سے پہلے ہی نثار ایوب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ وہ اپنے پوتے کی ٹھنڈی کھوئے گئے۔ وہ بس بٹھنے بٹھائے پڑے گئے تھے۔ رات کا کھانا کھا کر اپنے بیڈ پر آ کر بیٹھے۔ اپنی بیگم سے پانی مانگ۔ فرید، پانی لے کر کرے میں آئیں، اتنی دریمیں وہ نقل مکانی کر پچھے تھے۔

اب ان کا پوتا عابر تمن دن سے انہیں خواب میں دیکھ رہا تھا اور ان کی کوئی منی اپنے اس بھائی کو دیکھ رہا تھا جو انسان نہ تھا، غیر انسانی تھونک تھا۔

علی نثار نے ہر وہ بات عابر کو ہتھی تھی جو ان کے نہیں تھی۔ تاز نہیں ان واقعات کو دہراتا تو دو رکی بات، سوچتے ہوئے بھی مجرماتی جھیں لیکن انہوں نے بہت کر کے سامنے کی موجودگی میں ان ول دہلاتے ہیں دالے داعقات کو دہراتا تھا۔

سارے واقعات سن کر عابر نے تو کوئی خاص رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا لیکن سامنے مانے لے پڑ گئی تھی۔ "بائے ای۔ وہ پچھے کون تھا؟"

"مجھے کیا پاہا؟" تاز نہیں اس بچے کا تصور کر کے ہی تھرزا اُنہیں۔

"ای۔ کیا آپ نے اس کی ٹھنڈی دیکھی تھی؟" سامنے نے پوچھا۔

"نہیں میں نے نہیں دیکھی۔ میں اس وقت بے ہوش تھی۔" تاز نہیں نے بتایا۔ اچھا ہی ہوا جو میں نے اس نہیں کی ٹھنڈی نہیں دیکھی۔ ہاں تمہاری دادی نے اسے ضرور دیکھا تھا اور

انہوں نے ہی اسے تھاہر کے دادا کے خواہی کیا تھا۔ بعد میں تھاہر اور دادی نے اس کی شکل و صورت کے بارے میں مجھے بتایا تھا۔

"ابی کیسا تھا؟" اس سرجنہ سارے ہے جو عالی کی۔

"ابی چھوڑ دیجتا۔ اپنے بیوے سے پوچھ لیتا۔ بیوں نے مجھی اسیں منوں کو دیکھا تھا۔ باز منی نے اس کی شکل و صورت کو بیان کرنے سے احتراز کیا۔ اور اس سے قیل کر کچھ کوئی

حری سوال کر کے ان کو پریشان کرتے تو، کہرے سے انکھی پتی گئی۔

تل شار، خاہر کو سلسلہ تین دروز تک دکھائی دیئے والے خواب سے پڑا تھا۔ ان کی بھی منیں تھیں، آہات کا عار کو خواب کیں کہاں آجڑ کر دو، ان را فعات سے لامہ تھا۔ اس نے

ایسے دادا کو مجھی سوچ کیجا تھا۔

یہ خواب تین دن تک ایک خاص وقت اور ایک نام اور ایک منی نظر آیا تھا۔ اپنے کے سامنے پر کے اس ملے بات کی جائے؟

سرچھے سوچے اپا بیک ان کا دھیان پر فیر جو یاد کی طرف گیا۔ وہی اسکے پیچے کچھ روشنی کی دلستھی تھی۔

والد کے انتقال کے بعد منیں ایک آدمی بارہتی وہ گھر پر آئے تھے۔ علی شاہزادہ عربی اور منیں مسلم کرنے کے پیچے جاتے تھے۔ بخود رہنا منیٹ کے بعد منیٹ آپے پیچے کے

پاس شفعت ہو گئے۔ جو دراپ اپنے ہونے کے بعد غلی مکان سے اپنے الجلد رہا۔

ایک شام، وہ پورے فرمایا کہ پرانے گھر پڑے گئے۔ اُنہیں معلوم تھا کہ بیوی پورے فرمایا ہے۔ ان سے ان کو حیرا آپا کا عامل کر کے دادا کو پہنچا رہا۔

لڑکاں سے لیا گئی گئی۔

جب غلی شاہزادہ فرمایا کہ مجھے میں کسی کھپٹا پہنچا دار اور بیوی نے اپنے آنکھ مقدمہ بیان کیا تو بیٹے نے اپنے افرادی کے سامنے چاہا۔ "ابا کو انتقال ہو گیا۔"

"بیوں کا کب؟" علی شاہزادہ کو جو ہمچنان سماں۔

"آج آنحضرت ہو گئے۔ صورت کی شام اُن کا انتقال ہوا تھا۔"

اور دو دن تھا، جس کی تاریخ عالم کو بھی اور خواب نظر کی تھی۔ کہا پورے فرمایا کہ اس خواب کا کوئی تعلق تھا۔ یہ بتوہنی تھی کہ اس خواب کا تعلق ان کی صورت سے تھا

یا نہ۔ اصل مسئلہ تھا کہ عار کو خواب نظر آنکھ کیوں کیں؟

اُس نے پر اپا کو روشنی کی دلیل کیا تھی۔ وہی نہ رہے تھے قاب کسے اس ملے بات کی جاتی؟

بیوی پھر یہ آپکی گئی ہو گئی۔ عالم پورے اور اس خواب سے تھا۔ اپنے بیوی کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

لکھ کر دو بالے بھولنے پا تھا۔ وہ بیوی ملے اسے یاد آتی ہے۔ باڑی ہوتے ہوئے۔ لکھن جب اس کی بے وقاری کی منی کی طرح اس کے آپر اپنے تو پھر

اسے کچھ یاد رہ دتا۔

صادر نے ان دونوں عالم کا نام خالی رکھا تھا۔ اس نے اپنے بیوی والدین کے خواب سے کسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ اسے معلوم کر کے اس کا ہاں جعلی منی کیا تھی۔

وہ بانجھ کر اس عمر میں ایسا جو دلایا ہے۔ تو صورت لڑکی کی خوبی کی طرح ہوتی ہے۔ اپنے جانیں جانے کے بعد اپا کے اندر رہ جاتی ہے۔

صادر چاہی تھی کہ اس کو بھائی ملکوں کی طحاوی سے۔ وہ اس کے اندر سے کلک جاتے۔ اس نے وجہ بوجھ کر اسی پر جھوپی تھی۔ کہ کیہ کر اس کے بارے میں پوچھتی

تھی۔ یادوں کے پھوڑے پر شرمنی کرتی کہ یادوں کی بیوی اور اس کے اندر سے کلک جاتے اور دوستی اور دوستانی کو لپیٹ دیتا جاتا۔

صادر بیوی کے گھر تھی تو وہ زیادہ دوستی اور اپنے گھر بولتی تو اسے بالائی۔ صادر کے بھوپے اسے عشق اور صادر کے شوہر اسلام کا اس سے کوئی

غیر تھا۔

ایک دن صادر، عالم پورے کو پڑے فپڑی اسٹرینگ۔ اسے اپنے گھر کا سوراہ لیا تھا۔ باز منی نے بھی اسے ایک نہرست جمادی تھی۔ عالم اس طرح کی شاپکے سے گھبرا

تھا۔ لیکن صادر کے صارپ پورے دادا کے سامنے ساخت پڑا۔

اسٹرینگ پر خاس اسٹرینگ۔ پاپا کے دیکھ کر جتنا تھے ملے ہوئے کہ کچھ پتک پتک گئے۔

"سوسی۔" کہ کر عالم نے پکت فرش سے اٹھا کر دیں رکھ رکھ کرے۔ اُس نے خالی اور اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہوئے۔

ان دونوں میں جانے کی بیانی تھی کہ کہرے نے خود کا چاک کرے ہے اور اس میں بھر پایا۔ اس نے سخن کیا ہے اس کا دو دفعہ ہم گیا ہو۔ یہ اس سے پنچوں کا قاتا پھر سب

پکھ گیکے ہو گیا۔

وہ دوکلی بڑی اسے دیکھ کر سکتی اور اپنے گھر چلا گئی۔

عالم نے اسے ملکر دیکھا۔ وہ دوچھپے ہوئے تھی اور جس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

چھپے پر سب سے بُکش اس کی سمجھی تھی۔ اس کے بعد اپنے بیوی کی طرح اس کے بعد غلی اور منی کی دلیل ہو گئی۔

یوں بھی مرد کے لئے نذاب بنتی ہے لیکن شوہر کے پاس چوائیں ہوتی ہے۔ اسی بیوی سے چمنے راحصل کرنا زیادہ مشکل نہیں: وہ تا جبکہ عورت کے پاس کوئی چوائیں نہیں ہوتی۔

ٹنک ایک ایسا زبر ہے جو ازدواجی زندگی کو تباہ نہیں کر دیتا ہے۔ ٹنک مرد اس بات سے ناواقف ہوتے ہیں کہ عورت میں فریب دینے کی صلاحیت مرد سے زیادہ ہوتی ہے۔ آپ عورت کو ساتھ لالوں میں بند کر دیں اور اگر اسے خراب ہونا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے خراب ہونے سے نہیں روک سکتی۔ ٹنک شوہر کے ذہن میں اگر عورت کی نظرت کا یہ پبلوداشٹ ہو جائے تو پھر ہر جگہ امتحان جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ شوہر نگرانی رکھے، لیکن ٹنک نہ کرے، اس وقت تک جب تک اس کے ہاتھ ٹھوں ٹھوٹ نہ آ جائے۔

زدہ بار قع نہیں پہنچتی تھی۔ سرال والوں کی طرف سے فرماش آئی کہ بیٹی کو جہیز میں برقع دیں۔ ذاکر نے زدہ سے بات کی۔ زدہ نے خوشدنی سے کہا۔ ”کوئی بات نہیں ابو، میں برقع پہن لون گی۔“

زدہ نے سرال آکر برقع پہننا شروع کر دیا۔ لیکن عاشر کو کسی طرح چین نہ تھا۔ عاشر کی ماں نہیں پر دنیں کرتی تھیں۔ بس باہر نکلتے ہوئے چادر لے لیا کرتی تھیں جبکہ عاشر کے حکم پر زدہ کو برقع اور ڈھنپا پڑا۔ گھر میں خاندان کے لڑکوں کا آتا جانا تھا۔ عاشر کی بیٹیں پڑوں میں بیاروک ٹوک جایا کرتی تھیں۔ زدہ کو پڑوں میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ زدہ کو پاس پڑوں سے کوئی دلچسپی بھی نہ تھی۔ پڑوں سے کوئی لڑکی آجائی تو وہ اس سے اچھی طرح بات کر لئی ورنہ اسے آئے گئے کی کوئی نکلنہ ہوتی۔

عاشر کا دو منزلہ مکان تھا۔ زدہ کی اوپر رہائش تھی۔ دو کمرے تھے۔ ایک میں زدہ، دوسرے میں اس کی جنمی رہائش پذیر تھی۔ کھانا مشترک تھا۔ بھرپرا گھر تھا۔ دو بھائیوں کی بیویاں نے سارے سر کے ساتھ رہتی تھیں۔ ایک دیور جو ابھی غیر شادی شدہ تھا، ساتھ رہتا تھا۔ یہ گفتگو بھی بے تکلفانہ بھی ہو جاتی تھی لیکن یہی گفتگو میں زدہ کو بھی حصہ نہ لیتی تھی۔

ان تمام احتیاطوں کے باوجود عاشر صاحب کے دامن نہ ملتے تھے۔ دو کسی بھی وقت چرا غُپا ہو جاتے اور زدہ سے سوال کرتے۔ ”صادق تمہیں گھوڑ کر کیوں دیکھ رہا تھا؟“ صادر، عاشر کے چھوٹے بھائی کا نام تھا۔ سوال یہ تھا کہ اگر کوئی گھوڑ کر کیوں رہا ہے تو اس سے پوچھا جاتا۔ پوچھا زدہ سے جاتا تھا۔ زدہ اس کا کیا جواب دیتی۔ صبرہ گھوڑ پی کر رہ جاتی۔

دوچار گھر چھوڑ کر ایک لڑکا اپنی گلری میں آکر گھر اہو جاتا تو عاشر سے نوکتا۔ ”تمہیں دیکھنے کے لئے یہاں کھڑا ہوا ہے، ضرور تم نے اسے لائی دی ہوگی۔“ اس سے بے چاری کو یہ تک معلوم نہ تھا کہ کس گھر سے، کون لڑکا گلری میں کھڑا ہوتا ہے۔ وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں رہتی۔ اگر کسی کام سے ٹکنے میں آنا بھی پڑتا تو وہ اپنا کام کرتی اور اندر پلی جاتی۔

کوئی دکاندار خوش اخلاقی سے بات کر لیتا تو ارشاد ہوتا۔ ”تمہیں دیکھنے کیوں رہا تھا؟“

”اس نے تمہارے بات کرتے ہی پیسے کم کر دیے۔ مجھے تو کم کرنے سے منع کر دیا تھا۔“

برقع میں زدہ کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ چہرہ نظر آتا تو فریفہ ہونے کا شہر بھی کیا جا سکتا تھا۔ پیسے اگر کم کر دیئے تو اس لئے نہیں کہ زدہ نے کوئی بے تکلفانہ انداز اختیار کیا۔ پیسے اس نے اس لئے کم کر دیئے کہ زدہ نے اس کی گرفت کی اور دوسری دکان کا حوالہ دیا جہاں وہ کم پیسوں میں مستیاب تھی۔

دو سال کے بعد عاشر کے ہاں ایک بچی نے جنم لیا۔ یہ بچی اس کی نظر میں ”مکلوک“ نام ہے۔ اس دن زدہ بکھر گئی۔ اس نے عاشر کے سامنے ہاتھ جوڑے اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ ”اللہ کے واسطے مجھ پر ایسا اثر امن نہ لگا گیں۔ آپ مجھے روزانہ مار لیا کریں۔ مار کا ختم بھر جائے گا لیکن یہ زبان کا دار میری روح تک زخم کئے دے رہا ہے۔ مجھے اس سے بچائیں۔“

”روئے دھونے اور ہاتھ جوڑنے سے بہتر ہے کہ اس بچی کے باپ کا نام بتا دو۔“ عاشر نے انتہائی سفا کی سے کہا۔

”اس کے باپ کا نام عاشر ہے۔“ زدہ نے پہلی بیان لیتے ہوئے کہا۔

”مجھوں بولتی ہے تو۔“ عاشر نے جیخ کر کہا۔

”میں جھوٹ بولتی ہوں تو پھر آپ بچتا ہوئے۔“ بالآخر زدہ کے صبرہ پیانہ لبریز ہو گیا۔

”میں جانتا ہوں اس کا نام۔ لیکن میں تیری زبان سے کبلو اکر رہوں گا۔“ عاشر نے اندر ہرے میں تیر چاہا۔

عاشر کے والد اس وقت گھر پر تھے۔ انہوں نے جو یہ سکر اسی تو کمرے سے باہر آگئے اور بولے۔ ”عاشر، یہ کیا بک رہے ہو تو۔ اسی پاک باز بھر پر اثر امن گاتے تمہیں شرم نہیں آتی؟“

”ابا۔ آپ نہ بولیں۔ یہ آپ کا معاملہ نہیں، میرا اور اس آوارہ عورت کا معاملہ ہے۔ آپ درمیان سے بہت جائیں۔ مجھے اس سے پوچھنے دیں۔ دیکھنا بھی یہ اصل باپ کا نام بتائے گی۔“ عاشر نے اپنے باپ کو ایک طرف بٹاتے ہوئے کہا۔

تب ماں آگے بڑی۔ اس نے عاشر کو تھیت سے ڈانتا۔ ”باپ کے ساتھ بد تیزی کرتے تمہیں غیرت نہیں آتی، بلے غیرت کہیں جا کر ڈوب مرد۔“ اس سے پہلے کہ دو ماں کے ساتھ کوئی بد سلوکی کرتا، اس کی جب میں پڑا، وہ اس بائل نئے اٹھا۔ اس نے غنے سے موہاں جب سے باہر نکلا اور آن کر کے بولا۔ ”بیلو۔“ عاشر کو جواب میں جو شنے کو ملا، اس نے اس کے تن بدن میں آگ لگادی۔

آگ تو گئی تھی.....!

یہون ان لڑکی کا تھا۔ اس لڑکی کا جو گوہ ہے گاہے عاشر کو زدہ بارے میں نتی خبریں دیتی رہتی تھی۔ وہ خود کو زدہ بارے کی سیلی بیاتی تھی۔ ایسی رازدار سیلی جس سے زدہ کچھ نہیں پہنچائی تھی۔ جب اس کا تمی چاہتا تھا، وہ عاشر سے بات کرتی اور یہ یقین دلانے کے لئے وہ بھی ہے، عاشر کی سیلی بیاتی کو آج زدہ بنے کا تھا۔ وہ اجتنائی دمی اور جگی مرد تھا۔

یہ اور اس کے گھر کی پاک تھا اور اس نے پکایا تھا۔ ایسی کپکی پورت کو نظر انداز کرنا آسان نہ تھا جبکہ عاشر کا مراجح بے پا کو کہا بنے کا تھا۔ وہ اجتنائی دمی اور جگی مرد تھا۔

وہ لڑکی "آگ" لگانے کے بعد انہا سب میں آنے آف کر دیتی تھی۔ اگر عاشر بعد میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تو ہے وہ تا۔ وہ لڑکی بات کرنے کے بعد پہلے موبائل فون کا سونگ آف کرتی، پھر تمدن کرتی۔ تجھے یہ کہ عاشر کو شکش کے باوجود اس سے رابطہ کر پا۔

اس فون کے سلسلے کو ایک ڈیزہ مادہ سے زائد نہیں ہوتے۔ زدہ کو معلوم نہ تھا کہ کوئی لڑکی اس کی سیلی بن کر اس کے بارے میں کیا "زبر" آگی رہتی ہے۔ اس لڑکی کا زدہ بسا سے ہر گز کوئی تعقیل نہ تھا۔ وہ بڑی دمی کی لڑکی تھی، جس کی عاشر کی بیان فرنڈنے سے خامی دیتی تھی۔ فرنڈ کی شادی کے بعد اس نے عاشر کی بیانوں سے دیتی گا تھی۔ دراصل وہ اس گھر میں عاشر کے چھوٹے بھائی صادق کے لئے آتی تھی۔ وہ ایک ختم مراجح اور حاصل تھم کی لڑکی تھی۔ نام تھاں کا ریحانہ۔

ریحانہ برابر والے فلیٹ میں رہتی تھی۔ وہ اپنے گھر کے بجائے زیادہ تیکیں سکھی رہتی۔ فلم اور فیشن اس کے مرغوب موضوعات تھے۔ زدہ کسی اور مراجح کی تھی، اس لئے وہ اسے زیادہ مندرجہ تھی۔ اور یہ بات ریحانہ کو اچھی لگتی تھی۔ تبیر یہ کہ وہ اس کے خلاف بھائیوں کے بولوں میں نفرت کے بیچ بولتی رہتی تھی۔ ریحانہ اس گھر کی ہربات سے واقع تھی۔ وہ صادق پر جان دیتی تھی۔ اس سے شادی کرنے چاہتی تھی لیکن صادق کو اس طرح کی "اچھال چوکا" قسم کی لڑکیاں پسند نہ تھیں۔ وہ تجھید مراجح لگا تھا۔ اس گھر میں اگر کوئی آئینہ لٹھنے تھی تو وہ زدہ تھا۔ صادق اپنے بھائی صادق کے مراجح سے اتفاق تھا۔ اس لئے زدہ بسا درور جاتا تھا۔ بہت سنپنی تکی بات کرتا تھا۔

پھر ایک دن وہ برا جس کی ریحانہ کو کسی طرف تو قیمتی۔ جب ریحانہ نے شادی کے لئے شدید اصرار کیا اور صادق کے "زخاڑا" جواب پر اس نے فیملے کن انداز اختیار کیا تو بالآخر صادق کوئی میں جواب دیا۔ اور یہ جواب ریحانہ کو شدید خیال میں جلا کر گیا۔ اس نے سوچ لیا کہ وہ صادق سے اس الکار کا انتقام لے کر ہے گی۔

اس نے ایک تیر سے دشکار کرنے کی خانی۔

صادق "مکر" اور زدہ "مکبر" کو کبیں نہ ایک ہی چھری سے زدی کر دیا جائے۔ شاطر ریحانہ نے بڑی جامن مخصوصہ بندی کی۔ زدہ کے ہاں کسی بھی وقت "مہمان" آنے کی تو قیمتی۔ عاشر کے مراجح سے بھی وہ اچھی طرح اتفاق تھی۔ وہ گھر کی بھی تھی۔ اس نے لکھا ڈھانے کی خانی اور اس نے عاشر کے ہاں میں قفرہ قتلہ "زبر" پہنچا شروع کیا۔

یہ جلتی پر نئی ڈالی بات تھی۔ پہلے عاشر کو زدہ بارے کی طرف سے ہوشیار ہے کو کہا گیا پھر جب زدہ کے ہاں "مہمان" کی آمد ہو گئی تو اس نو روز ایک بیچ کو "مکلوک" بول دیا گیا۔

وہ خود کو زدہ بارے کی زدہ ساری باتیں زدہ کے حوالے سے کی جاتی تھیں۔ شلزار بنا بنے بھتے کہ کیونکہ عاشر بھج پر ٹک کرتا ہے لہذا اس نے بھی اس سے ایسا انتقام لیا ہے کہ زندگی بھر یاد کرے گا۔ یہ بھی اس کی نہیں ہے۔ یہ بھی اس گھر میں رہنے والے کی فردی ہے۔ میں عاشر کچائے میں نیند کی گولی دے کر اس کو بالائی تھی۔ یہ بھج پر خود خواہ نہ لٹک کرتا تھا۔ اب میں نے اس کا لٹک یقین میں بدی دیا ہے اور اس اچھی کو کچھ معلوم نہیں۔ ایک بھی آدمی کو خود اس کی بیوی کے حوالے سے بتایا جائے تو پھر اس کا تکلماں ہاتھ بجا بتاب۔ جب عاشر اپنے بھر جاتا ہے تو جھاؤ کا تم پوچھتا تو وہ بھی کہتی۔ "بادوں کی، آتی جلدی کیا ہے؟"

اب عاشر سے میرنیوں ہو رہا تھا جس کا شرم و لاملا چوڑ کر زدہ بارے کا پہنچانے پر لے لیا۔ ریحانہ اس وقت گھر میں موجود تھی۔ بھائی اسے رپورت دیتی رہتی تھی۔ اس وقت

وہ آپ سے باہر ہوا تو بھائی نے ایسے ہو کر دیکھ لے کر اس کا اشارہ کر دیا۔ ریحانہ خودا تو جھاؤ کا تمہن دیتا ہے۔ اس کی سوچتے ہو جاتے ہیں۔ موبائل فون اس کے باتحم تھا۔ وہ سریمی اپنے گھر میں تھی۔ تیزی سے اس نے سیم تبدیل کی اور اس روم میں جا کر اس نے عاشر کو فون کیا۔

عاشر نے اپنی جیب سے فون بٹالا اور بولا۔ "بیلول"

"آپ کی فون سے بھجے اپنی بھی کے اہل باپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ اگرچہ بیری سیلی زدہ بنے بھتے اہل باپ کا نام بتا سکر کردا تھا۔ مدد نہیں پہنچتا چاہ رہتی تھی۔ لیکن اب آپ بندہ ہیں اور مجھے تم بھی دے دی ہے پہنچا بھر جو کہ اس کا نام بتا دیا کرتا تھا۔ اس وقت

صد نہیں!"

اس اٹھائے عاشر کے تن بدن میں آگ لگ دی۔ وہ آپ سے باہر ہو گیا۔ اس کی نسوانی میں دوڑنے والا خون تیزاب بن گیا۔

وہ روڑتا ہوا کچھ میں گی، وہاں سے اس نے نوچ لے پھنس کر تیزراہی اور حجمی انجامی اور تجزی سے زدہ پر اور کھا چاہا گیا۔

ہر دار پر کہتا۔ "بادا، اس کا باپ کون ہے؟"

"زدہ اترپ کر جواب دیتی۔ "آپ۔"

زدہ بائیں جب سک جان رہی، وہ "آپ" کہتی رہی اور وہ چھتار پا۔ "میں نہیں، صادق بول۔"

گھر میں سب لوگ ڈم بخوبی کرے تھے۔ کی میں ہتھ تھی کہ اس جوں کا ہاتھ کپڑے۔

جب شیطانی کھلی ختم ہو گیا تو وہ خون آلو چوڑی لے کر گھر سے ٹکل گیا۔ تھانے میں جا کر اقبال جرم کر لیا۔ اس نے تھانیدار سے کہا کہ اس پیچی کو کسی غافلی اوارے میں بھجوادی جائے۔ اسے گھر میں نہ رکھا جائے۔ میں اس گھر کو گھر میں نہیں دیکھنا پڑتا اور صادق سے کہتا ہر انتشار کرے۔

جب اتارہ، زدہ کے قتل کا منفرد کیمروہی تھی تو حسب معمول اس کی حالت گزرنے لگی۔ اس نے چھری کے یہاں اپنے جسم پر محصور کئے۔ زدہ کے جسم سے اب تاہو اخون اس کے بوش ازگیا۔ وہ گھنی سانس کے ساتھ بولی۔ "اہ، بس کر۔ بھاوس می خذکرے سامنے سے۔"

"اچھا پر بیان نہ ہو۔" اپنی چھمی نے اپنی چھمی کو کھلی۔ جلدی جلدی کچھ پڑھتا اور تسری سر گھر میں بھتی اتار پر پھوک رکھ دی۔

اتارہ کی آنکھوں کے سامنے اندر حمراچا گیا۔ وہ تیرے گھر میں بھتی اپنے خواہ دست کرنے لگی۔ لیے اور گھر سے سانس لے کر اس نے خود کو سنبھالا۔

اتی دریمیں اپنی چھمی نے چاندی کا بھاری تھویں لگتے میں ڈالا اور ساتاہیں گھر سے لکھتے ہوئے بولی۔ "چل انبوح۔ آجاء۔"

ماں چھمی اپنی گھر میں چار پاپی پر بیٹھ گئی۔ وہ جب بھی اتارہ کی جھلک رکھاتی تو وہ خود بھی ستارہ بولتی تھی۔ وہ نہ حال ہی ہو جاتی تھی۔

اتارہ، ماں چھمی کے بیووں میں چار پاپی پر بیٹھ گئی اور اس کی سوچی ناکیں اپنی گودیں رکھ دیتے گئی۔ یہ ہلکا تھام سے ماں چھمی کو بہت سکون ملتا تھا اور اس کا دل خوش ہو جاتا تھا۔

"ہاں انبوح۔ دیکھ لی تو۔ میں جانے کہاں ہوئی ہوں۔" یہ کہہ کر ماں چھمی میلے گئی۔

اور اتارہ نے کرے کی طرف رکھ گیا۔

"ہاں انبوح۔ دیکھ لی تو۔ میں عابر بول رہا ہوں۔"

"میں دیکھ لی تو۔ میں کیا کہے؟ وہ بھائی کیسے کہے؟ وہ اس کے نام سے کہ داقت تھی۔"

"میں دیکھ لی تو۔ میں اپنے ایک سپر اسٹور میں اپنی کارڈزیا اور ملاقات کی خواہیں ظاہر کر رہی تھیں۔"

"جیسیکس گوڑا۔" اجتنائی سرشاری کے انداز میں کہا گیا۔ "آپ کا فون تو آیا۔"

"آرزو صاحب۔ فون ہی نہیں، میں خود بھی آپ سچا ہوں۔" تھانے کھرا تھے ہوئے کہا۔

"اوہ گاڑ۔ آپ تو بھتے خوشی سے دیوانہ کر دیں گے۔ کہاں ہیں آپ؟"

"آپ کے دروازے پر۔" تھانے کھروشی سے بولा۔

"اوہ گاڑ! آپ تو نیم پیٹ پڑھ کر پریشاں ہو گئے۔" آرزو نے میٹے کو بھتھے میں درینکی۔

"تھی تو۔ ورنہ میں فون تو ہے۔ کاں میل بھا کر آپ کو زور سر پر اسکو دیتا۔" اس کا بھج خٹکا رکھا۔

"اب بھی آپ کی آمد کی سر پر اسے کہنیں۔ میں کھوئی ہوں دروازہ۔" پلیز دیت۔ "آرزو نے بڑے پارے کے کہا۔

دروازہ کھولنے میں آرزو نے پانچ منٹ لگائے۔ اتنی دریمیں شاید اس نے گھر سینا پاچھوڑ کر آپ کے لئے اس کے بیچ کھوئی۔ دروازہ کھول کر دو الہانہ انداز میں عابر کی طرف بڑھی۔ وہ بیٹھ میں تھی۔ بال کھلے ہوئے تھے جن ساری سے انہیں ایک کپ پس سینا گیا تھا۔ جسپرے پر کوئی میک اپ نہ تھا، اگر خاتون میک پسچھے بچھ کی صورت میں تھا۔

وہ اپنی کو رکن آنکھوں میں ستارے جائے۔ بے اختیار اس کی طرف بڑھی۔ عابر دروازے سے چار ڈم یچھے کھڑا تھا۔ وہ دیکھ کر سکرایا۔ انہیں اپنی بچھہ ساکت کھڑا رہا۔ آرزو

اس کے گلے گلے پاہتی تھی۔ عابر اس بات کو تجھنہ پایا۔



والی عورت بنا کے سامنے آ کر رکھی۔

چند گوں بعد ختح پھرے والا غص پھر نمودار ہوا۔ اس نے اٹھ کے درمیان کھڑے ہو کر مائی چکھی کے کہارنا مول پر دشی ڈالا شروع کی۔ بتایا گیا کہ مائی چکھی کو یہ اعزاز کس وجہ سے عطا کیا گیا ہے۔ مختلف شیطانی توں حاصل کرنے کے لئے مائی چکھی نے جو من کے، آج اس کے ملے میں اسے ”رانی“ کا خطاب دیا اور تاج پوشی کی جا رہی تھی۔

”پاس نام“ پڑھ کر وہ ختح پھرے والا غص پھر نمودار ہوا۔ ”چکھی، آج سے تو رانی ہوئی۔“

سر پر تاج سجائتے ہی حاضرین نے کھڑے ہو کر تالیاں بجا میں۔ پہنچے کھڑی عورتوں نے فوراً تاج سنجال لیا۔ اور مائی چکھی کے سر پر اچھی طرح جادیا۔

تب رانی چکھی کھڑی ہوئی۔ اسے اٹھتے دیکھ کر بھی کھڑا ہو گیا۔ دونوں ساتھ چلتے ہوئے اٹھ کے درمیان میں آ کر کھڑے ہو گئے۔

بنا نے ہاتھ انداخ کر ہوا میں ابرایا تو حاضرین نے یکنہت تالیاں بجا بند کر دیں اور اپنی اپنی نشتوں پر بینے گئے۔

پھر بنا، رانی چکھی کو لے کر میر جیوں سے اترا اور باسیں جانب آگے بڑھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک رتح کھڑا ہو انظر آیا۔ اس رتح میں آنحضرت مسیح گھوڑے جتنے ہوئے تھے۔ بنا نے

رانی چکھی کو سبارادے کر رتح میں بھایا اور اس سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”چکھی، اب تو رانی ہو گئی، اب تو مجھے اپنارجہ کب بناے گی؟“

”دیکھ بنا، مجھے ابھی اور آگے جاتا ہے۔ تیری رانی بن کر اپنی راہ کھوئی نہیں کرتا چاہتی۔“ رانی چکھی نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور یہ جواب بمعنے کا دل چیر گیا۔

”چکھی، پھر دیکھ لے؟“ بنا کے لمحے میں صمکی تھی۔

”اب کیا دیکھنا۔“ رانی چکھی نے بے انتہائی سے جواب دیا۔ اب اسے پنگلگ پچھے تھے۔

☆.....☆

ایک شام آرزو کا فون آیا۔ عابر اپنے موبائل کی اسکرین پر اس کا نام دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اس نے میں دبا کر مکراتے ہوئے کہا۔ ”ہیلو۔“

”عاشر۔ کیسے ہیں آپ؟“ آرزو کی گفتگی آواز سانائی دی۔

”میں بالکل بجلادنگا ہوں۔“ عابر نے بے تکلفی سے کہا۔

”سوری سر۔ اس دن اپتال کی ایرجنی کاں نے بد مزگ پیدا کر دی۔ میں آپ کا صحیح منی میں استقبال نہ کر پائی۔“

”اب کیا مجھے ہار پھول پہنانے تھے۔“ تاہر ہنسا۔ ”آپ نے چائے پلا دی، یہ بہت ہے۔ میں پھر کسی دن آ جاؤں گا۔“

”یفون میں نے آپ کو بانے کے لئے ہی کیا ہے۔“ آرزوہ شوق لمحہ میں بوی۔ ”میراںکل اپتال سے آف ہے۔ آپ کی شام کو آ جائیں، میں آپ کو جلدی جانے نہ دوں گی۔ رات کا کھانا کھلا کر بھیجوں گی۔ پھر کل آرہے ہیں تا آپ؟“

”مجی۔ میں ضرور آؤں گا لیکن کھانے کا لکھ مت کیجئے گا۔ اوس کے۔“ عابر نے اتر اڑا چاہا۔

”میں کھانا بہت اچھا بنتی ہوں۔ آج میں آپ کے لئے اپنگل کیک بناؤں گی۔ نھیک ہے بھرکل ملاقت ہوتی ہے۔“ آرزو نے اصرار کیا۔ ”شام کو آپ کا انتشار کروں گی۔“

اور پھر جواب سے بغیر آرزو نے فون آف کر دیا۔ عابر نے مسکرا کر اپنے موبائل پر نظر ڈالی اور اسے جیب میں رکھ لیا۔

دوسرے دن جب عابر، آرزو کے گھر پہنچا تو اسے کالے ٹراؤز اور زردی مائل ٹیش میں پایا۔ آج اس نے بلکہ سایک اپ کر کھاتا۔ دو اسے پر شوق نہ ہوں سے دیکھتی لادنچ میں لے آئی اور اسی صوفے پر بھایا جیاں وہ پہلے دن بینجا تھا۔

”آج میں نے اپتال فون کر کے کہہ دیا ہے کہ کیسی بھی ایرجنی ہو، میں نہیں آؤں گی، کسی اور ڈاکٹر کو کال کر لیجئے گا۔ آپ جانتے ہیں میرے سینزڑا کیز کل نے مجھ سے کیا پوچھا؟“ آرزو اس کے ساتھی صوفے پر بینتے ہوئے بوئے بوی۔

”نہیں۔ میں نہیں جانتا۔“ عابر بولا۔

”وہ پوچھنے لگے۔ بھی ڈاکٹر آرزو۔ آج کیا کوئی خامس بات ہے؟“ میں نے انہیں فوراً بتا دیا کہ مجھی خامس بات ہے۔ آج میرے بیان بہت ہی خامس بندہ آرہا ہے۔ وہ دی وی آئی پی۔“ آرزو نے پس کر بتایا۔

”اس قدر راہم بنا نے کا شکر یہ۔“ عابر نے اسے ممنون انداز میں دیکھا۔

”اچھا پسلے ایک کپ چائے پیتے ہیں، سیکھ کھاتے ہیں اور پھر بنا تے ہیں آپ کی ذہنیوں تصویریں۔“ آرزو، چکھی بجا تی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تصویریں!“ عابر چونکا۔

”بھی اب دوز مانہ تو بہ نہیں کہ اڈل کو اپنے سامنے بخا کر پیننگ بنائی جائے۔ اب گھنٹوں بیننے کی کسی کے پاس فرمت ہے اور نہ آرٹسٹ کے پاس وقت۔ میں دیکھنے کیسے سے آپ کی تصویریں اتنا لوں گی۔ ان میں سے ایک سلیکٹ کر کے جب بھی وقت لے گا، کام کرنی رہوں گی۔“ آرزو نے وضاحت کی۔

اس دن آرزو نے رات تک بے شمار تصویریں اتا رہیں۔ وہ عابر کی کچھ ”بولڈ“ تصویریں بھی اتنا رنا چاہتی تھیں لیکن عابر نے بہت سختی سے انکار کر دیا۔ ”نہیں آرزو صنہب، میں رنیر کپور نہیں ہوں۔ وہ اداکار ہے۔ میں اداکار نہیں ہوں۔ میں کسی صورت بے لباس ہونے کے لئے راضی نہیں۔“

”ایس اوس کے۔ ریلیکس۔ جذب باتی ہونے کی ضرورت نہیں۔“ آرزو نے مسکرا کر کہا اور کیسہ بند کر کے رکھ دیا۔

رات کو دو دنوں بڑی خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔ عابر کو یہ خاموشی بڑی کھل ریت تھی۔ آرزو یکدم بولتے بولتے چپ ہو گئی تھی۔ عابر بونا چاہتا تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا ہو لے۔ وہ اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ وہ خوبصورت تھی، ڈاکٹر تھی۔ پھر بھی تباہی۔ اس نے دنیا بھر کی باتیں لیکن اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں ایک حرفا بھی نہیں بولی تھی۔ اگر اس نے کوئی ذاتی سوال کیا بھی تھا تو وہ بڑی خوبصورتی سے طرح دے گئی تھی۔

پھر یکدم اس نے خاموشی تو زی اور بولی۔ ”عاشر۔ میں آپ کو کب سے ڈھونڈ رہی تھی۔“

آرزو کا یہ جملہ سن کر عابر کا دھیان فوراً بادنیا کی طرف گیا۔ آواز آئی۔ ”تجھے دنیا ڈھونڈ رہی ہے۔“ عابر مسکرا اور بولا۔ ”کیا آپ دنیا ہیں؟“

”کیا مطلب؟“ آرزو الج کر بولی۔

”اس بات کا مطلب تو مجھے بھی نہیں معلوم۔“ عابر معمویت سے بولا۔ دبادنیا کا اس کے سامنے تذکرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”میں آپ جیسا چہرہ جانے کب سے ڈھونڈ رہی تھی۔“ آرزو نے اپنی بات کی وضاحت کی۔ ”بُوانا در چہرہ ہے آپ کا، بہت زبردست پیننگ بنے گئے۔“ اچھا چھوڑ زیں اس

بات کو۔ میں آپ کو اپنے بارے میں ایک پہ اسرار بات بتاتی ہوں۔“

”یہ ہوئی تابات۔ فوراً بتائیے۔“ عابر سنجل کر بینے گیا۔ آرزو نے جب اپنی ذات کے حوالے سے پہ اسرار را کھولا تو عابر حیرت زد رہ گیا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" وغیرہ تین انداز میں بولا۔

"یہ چیز ہے عابر..... میری پیٹھ پر سائب کا نشان ہے اور یہ بیدائی ہے۔" آرزو نے پہنچتے ہوئے کہا۔ "میں نے یہ بات کسی کو بتائی نہیں..... آپ پہلے مرد ہیں جس کے سامنے میں نے یہ راز کھولا ہے، کہیں آپ مجھ سے ذر نے تو نہیں لگیں گے؟"

"ہاں..... ذر نہ اتو چاہے۔" نابر نے سکراتے ہوئے ازرا و ماداں کہا۔

"چھی....." اس نے مخصوص انداز میں تاک سکوڑی۔ "میں کوئی تاگن بوس؟"

"پھر پشت پر سائب کا نشان کیوں؟" عابر بولا۔ "اس میکے پر آپ نے کسی بزرگ دغیر دے بات نہیں کی؟"

"میرے والدین نے کی: دو تو میں نہیں جانتی لیکن میں نے نہیں کی۔" آرزو نے سمجھی گئی سے کہا۔ "کیا آپ کسی بزرگ کو جانتے ہیں؟"

"نہیں..... میں کسی بزرگ کو نہیں جانتا۔" نابر بولا۔ "ویسے یہ نشان ہے کتنا بوارا.....؟"

"کوئی ایک فٹ براہوگا، صاف اور واضح ہے۔" آرزو نے اسے اپنی جادو بھری آنکھوں کے حصار میں لیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص تمہ کی چمک تھی۔

"اچھا..... پھر میری پینٹنگ پر کام کب سے شروع کر رہی ہیں؟" نابر نے یکدم موضوع بدلا۔

"بس فرمتے ہی کام شروع ہو جائے گا، آپ کو جلدی تو نہیں؟" وہ بولی۔

"نہیں..... آپ کام اپنے حساب، اپنے انداز سے کیجئے۔" نابر اختنے ہوئے بولا۔ "اب میں چلوں، خاصا دقت ہو گیا ہے۔"

"اچھا۔" اس کے لمحہ میں ایک بے نامی اداہی تھی۔ "پھر کب آئیے گا؟" وہ اس کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی۔

"جب آپ کاں کال کریں گی۔" نابر نے خوشی لے کر کہا۔

"اچھا....." اس نے اچھا کونسا سماں کھینچ کر کہا۔ "آپ کوئی کاں بوانے ہیں کیا؟"

"خوب ممکنی پہنائے میری بات کے..... آپ بولنا ہونے کے ساتھ شریک ہیں۔" نابر نے رخصت ہوتے ہوئے کہا۔

آرزو نے "ٹھیکنس" کہا اور اسے جاتے ہوئے ایک خاص انداز سے دیکھنے لگی۔ جانے ان نظرؤں میں کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

مائی پنکھی جواب رانی پنکھی بن چکی تھی، سرخ ریشمی بس میں اپنی گھر زی چارپائی پر بڑی تمکنت سے بیٹھی تھی۔ اس کے سر پر تاج موجود تھا جو زشت رات کی کہانی سارہاتھا۔ رانی پنکھی کو صمراں میں منعقدہ تقریب کا ایک ایک لمحہ یاد تھا۔ یہ اعزاز و اوتھی براہمچاری جو کسی انسان کو اس کے "شیطانی کارہ مول" پر عطا کیا گیا تھا۔ اس کی شان میں وہاں جو کچھ کہا گیا، اسے یاد کر کے وہ جھوم رہی تھی۔

لیکن وقت رخصت جو بدمگی ہوئی، اسے یاد کر کے رانی پنکھی فکر مند ہو گئی۔ کہاں دنیا میں بچہ کی جو حیثیت تھی، وہ اس سے اچھی طرح احساس تھا کہ بُکا سے محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، وہ اسے دل میں بسائے ہوئے تھا لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ وقت رخصت وہ ایسی بات کہہ دے گا اور اس کے جواب میں اس کے منہ سے بھی اسی بات نکل جائے گی جو اس کو تاریخ کر جائے گی اسکے لیے اب جو ہونا تھا، وہ بوچا کتا۔

رات گزر جکی تھی، مجھ کا اجالا چیل پکا تھا۔ نہم کے درخت پر کوؤں کی "کامیں کامیں" جاری تھی۔

رانی پنکھی کے آواز دینے پر جب کا لے منہ کی سفیدی میں اندر کر کے سے نکل کر دروازے پر آئی تو سامنے بیٹھی رانی پنکھی کو دیکھ کر حیرت زد و رہ گئی۔ سرخ بس اور سرپر تھا۔ مائی پنکھی کی توہنون ہی بدی ہوئی تھی۔

رانی پنکھی نے انجوکی آنکھوں میں حیرت دیکھی تو پارے بولی۔ "آج ابیری انجو.....!" انجو نے دو تین تقدیں بھریں اور اس کے پاؤں میں لوٹنے لگی۔ رانی پنکھی نے اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور پیار کرتے ہوئے بولی۔ "انجو....." میں رانی بن گئی ہوں، میں رات کو یہاں نہیں تھی، میں نے تھے کہا تھا کہ میں رات کو جانے کہاں ہوئی ہوں، سالانہ جلسے میں بھتھتے تھا جو پہنچایا گیا، انجو تو وہاں ہوئی تو تھی کہ میری شان میں وہاں کیا کہا گی، میں تھے سب نہاؤں گی، ایک ایک بات نہاؤں گی، چل پہلے میرے ہاتھے کا انتقام کر، میں بھی ذرا یہ تاج سنبھال کر اندر کو دوں اور کپڑے بدلوں۔"

رانی پنکھی نے انجو کو چارپائی پر چھوڑا اور خود بڑی تمکنت سے چلتی اندر کر کے میں چل گئی۔

انجو اس کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔

تحوڑی دیر کے بعد جب رانی پنکھی باہر آئی تو دو گھر بیلبس میں تھی۔ اپنے روایتی بس کا لے لینے اور کامی گرتی میں.....! وہ تیز تیز پلتی باور پنچی خانے میں پہنچا۔

چوہلے میں آگ جلا کر اس نے ہندیا میں "مال سالا" ڈالا اور اسے اٹھنے کے لیے رکھ دیا۔

دوسروں کے بعد جب ہندیا میں ڈال آگیا تو رانی پنکھی نے انجو کو واشارہ کیا۔ اشارہ ملئے ہی وہ ایکشن میں آگئی۔

پھر پھر اتے کوئے کو رانی پنکھی نے ہندیا میں ڈالا اور "بنی" تیار ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

سیال تیار ہونے پر اس نے اٹھنے سیال میں ہاتھ ڈال کر کے کوئکلا اور اسے لیے باور پنچی خانے سے باہر آگئی۔ انجو کرے میں جا چکی تھی۔

وہ بیچ جن میں کھڑی ہوئی، اس نے ایک نظر اوپر دیکھا اور کچھ پڑھ کر کوئا آسان کی طرف اچھال دیا۔ "لے بیجا!"

لیکن جواب میں وہ ہوا، جو کبھی نہ ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس دن جب نابر، آرزو کے گھر پہنچا تو اس کا انداز ہی بدلا ہوا تھا۔ اس نے نابر کو ڈون کر کے بایا تھا۔ کہا تھا۔ "میں اپنال سے نکل رہی ہوں، کیا آپ ابھی میرے گھر آنکتے ہیں؟"

"ہاں آسکا ہوں۔" نابر نے اپنی کہانی کی گھری پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "اس وقت ساڑھے چوبے ہیں، میں ساڑھے سات، آنکھ کے درمیان پنچ جاؤں گا، نہیک ہے۔"

"سو سوئٹ!" آرزو یکدم خوش ہو گئی۔ "بے شک آپ آنکھ بچے کے بعد آ جائیں، آرام سے.....! میں اتنا یاد رکھی ہوں کہ کھانا میرے ساتھ کھائیں گے، اوکے۔ میں انتظار کروں گی۔"

اور پھر نابر کا جواب سے بغیر فون بند کر دیا۔ یہ اس کی عجیب عادت تھی۔

نابر آنکھ بچے کے بعد ہی یہاں پہنچا تھا۔ آرزو نے دروازہ کھولا تو اس کے بائیں ہاتھ میں نازک سا گلاں مقاومت کا دعا بر اور ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ اندازہ نہ کر پایا کہ اس میں پانی ہے، کوئلہ ذرک ہے یا کچھ اور.....!

آرزو نے نابر کے اندر آنے کے بعد دروازہ لاؤک کیا اور مسکرا کر بولی۔ "کیسے ہیں؟"

"بچھے کیا ہیں؟" نابر اس کے ساتھ چلتا ہوا بولا۔

"کیا مطلب.....؟" آرزو نے رُک کر پوچھا۔

"مطلوب یہ کہ میں کیا ہوں، اس کے بارے میں آپ ہی کچھ بتا سکتی ہیں، بچھے کیا معلوم کر میں کیا ہوں۔" نابر پنچا۔

"یو آرسوسویٹ!" آرزو نے اسے ترجیح نظرؤں سے دیکھا۔

اور جب دو دونوں لاڈنچ میں آگئے تو آرزو اسے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرنے کے بجائے کھلے دروازے کی طرف بڑھی۔ "آئی..... اندر آ جائیں۔"

آج پہلی بار اس نے آرزو کا بیڈر دیکھا۔ کرے میں گھستے ہی دو کریساں پڑی تھیں، کریساں کے ساتھ کارنیٹیں، جس پر لینڈ لائن ٹیلیفون رکھا تھا اور ساتھ ایک زاری تھی۔ نابر کو ٹیلیفون دیکھ کر حیرت ہوئی۔ آرزو نے اس لینڈ لائن کا بکھی ذرکر نہیں کیا تھا اور نہیں ہی اسے نہ روئے کی کوشش کی تھی۔

آج کے بیڈ تھا جس پر گھرے نیلے رنگ کی چادر پنچھی تھی۔ بیڈ کے اس طرف ذرینگ نیلے تھی جو ہر طرح کے سامان سے خالی تھی۔ ذرینگ کے بر ابر واش روم کا دروازہ اور بیڈ کے

سامنے ٹھیلی دیڑنے تھیں ذریں پلیسیر..... آرزو نے نابر کو کسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بیڈ پر بیٹھنے لگی۔ آج اس نے ذہنیاں ڈھالا گلابی گاؤں نہا بس پہنچا۔ آرزو کو رکھا تھا۔ آرزو

نے گلاں سے ایک بلکا سا گھونٹ بھرا۔ نابر کو مسکراتی نظرؤں پر بیٹھنے کا انتہا تھا۔ نابر اجیا جاہر تھا اور سامنے یاں کوئی ہو۔ اپنا جیسا۔ بس پھر میں





کر سکتے ہیں۔"

دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے پٹ کر عابر کو دیکھا اور باہر نکل گئی۔ اس کے باہر نکلتے ہی دروازہ کھناک سے بند ہو گیا۔ سونی کی خوبصورت بھی کمرے میں موجود تھی۔ وہ جو بھی پر فیوم استعمال کرتی تھی، اس کی خوبصورت حال خوشگوار تھی۔  
سونی کے نمبر بتانے پر اسے اپنا موبائل فون یاد آیا۔ اس نے اپنی جیبوں میں موبائل فون تلاش کیا لیکن وہ کہیں نہیں ملا۔ البتہ سایہ نیمیل پر ایک سرخ رنگ کا خوبصورت نیلیفون میٹ ضرور موجود تھا، شاید اسی کے ذریعے سونی سے رابطہ کیا جاسکتا تھا۔  
وہ واش روم سے نبا کر نکلا تو نیلیفون کی گھنٹی نجح رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

یہ خطرے کی گھنٹی تھی۔

انجو کئی بار باہر کا چکر لگائی تھی لیکن ہر بار رانی پیکھی کو سوتا پایا تھا، ایسا بھی نہ ہوا تھا۔ وہ کوئے کی "تختنی" پر کر د پہر زمانے کے بعد بیدار ہو جاتی تھی لیکن اس وقت تورات ہو رہی تھی۔

صحن میں اندر حیرا پھیلا بوا تھا اور رانی پیکھی آنکھوں پر باتھ رکھے بے سدھ پڑی تھی، اس نے کروٹ تک نہیں لی تھی۔ انجو نکر مند ہو گئی تھی، کہیں "بڑھیا" جل تو نہیں بسی۔  
تب اس نے چار پائی پر چلا گئے لگائی اور آنکھوں پر رکھے ہاتھ سے اپنا جسم رگز نے لگی۔ جسم کے دباؤ سے رانی پیکھی کا ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹ گیا لیکن وہ اب بھی بیدار نہ ہوئی۔

تب وہ رانی پیکھی کے چہرہ کی طرف پہنچی اور زور زور سے اس کے پاؤں سے اپنا جسم رگز نے لگی، پھر بھی کوئی اثر نہ بوا تو اس نے رانی پیکھی کے پاؤں کے تکوؤں سے اپنا منہ لگایا۔ گلی زبان نکلتے ہی رانی پیکھی کی آنکھ کھل گئی، وہ نور انہ کر بیٹھ گئی۔

اس نے صحن میں اندر حیرا اور انجو کو بے قرار دیکھا تو ساری صور تعالیٰ اس کی سمجھ میں آگئی۔ وہ انجو کو کمرے میں لے گئی۔ کچھ دیر کے بعد جب وہ دونوں باہر آئیں تو انہوں کے ساتھ انسانی روپ میں تھی۔ رانی پیکھی نے چار پائی پر بینتے ہوئے کہا۔ "او انجو.....! تو نے مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟"  
"ماں! پہنیں تو کیا بیچ کر سوئی تھی، میں نے کوشش تو کئی بار کی، پر تو اس سے مس نہیں ہوئی۔" انجو نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا، پھر اچانک جیسے اسے کچھ یاد آیا۔ وہ پُر شوق لبھنے میں بولی۔ "ماں.....! کیا تو مجھے میرا چوتھا گھر دکھائے گی؟"

"ہاں دکھاؤں گی.....! میں چاہتی ہوں تو جلدی جلدی اپنے سارے گھر دیکھائے گے۔" رانی پیکھی کے انداز میں الجھن تھی۔  
"تمیک ہے ماں!" ازارد انشتے ہوئے بولی۔ "میں کوئلے لے آؤں؟"  
"ہاں لے آ۔" رانی پیکھی بھی اٹھ گئی۔

پھر اس نے اتارہ سے کوئلے لے کر سات گھر بنائے اور خود ساتویس گھر میں بینچ کر اس نے آواز لگائی۔ "چل انجو۔ آ جا..... چوتھے گھر میں بینچ جا۔"  
ازرد اس کی آواز سنتے ہی چوتھے گھر میں بینچ گئی اور بولی۔ "ماں۔ بینچ گئی۔"  
رانی پیکھی نے گلے سے چاندی کا بھاری تیویڈ اتار کر پیکھی میں لیا اور کہنا چاہا۔ "ہاں انجو! دیکھ سامنے کیا ہے؟"  
لیکن رانی پیکھی کے گلے سے آوازنہ نکلی۔ اس نے گھبرا کر پیکھی کھولی اور تیویڈ زمین پر پھینک دیا۔  
ازرد جو اس کے حکم کی منتظر تھی، پریشان ہو کر بولی۔ "ماں.....! کیا ہوا؟"

وہ اندر کو کیا بتائی کر کیا ہوا ہے۔ ایسا تو کہی نہ ہو اتحاد آج یہ دروازہ تھا جو غیر مرتقی طور پر توئی پڑی ہوا تھا۔ مجھ پتکے کو اقبال نہ کیا اور اس وقت چاندی کا تنویز یعنیت اتنا

خشنہ اب گیا تھا کہ اگر رانی پکھی اسے زمین پر نہ پھیک دیتی تو یقیناً ساکھ مل جاتا۔

”ماں۔ کیا ہوا ہول ہا؟“ اندر جواب نہ کپڑ پر بیٹاں ہو گئی۔

”اری بتائی ہوں..... زرما جھے بات کھو لیے دے!“ رانی پکھی نے زمین پر تھے تنویز کو اس کی ذریت سے کپڑ کر گیا تھا، اسے اپنی آنکھوں کے سامنے کیا، اس پر کچھ پڑھ

کر پھر تھا اور جھتری سے اسے گھما اور پھر اسے زمین پر ڈال کر جھوا۔ وہاب اتنا خشنہ اب تھا کہ باخچہ جلا گیا اسے سُنی میں بن کر تاب گھی میں نہ تھا۔

رانی پکھی کو یقین، ہو گیا تھا کہ ”کارروائی“ بھی پچھے کی طرف سے کی گئی ہے۔ اس کی ہر ارضی پوتی جا رہی تھی۔

”ماں۔ تو نے تنویز زمین پر کیوں پھینک دیا؟“ اندر نے پناہ سال نے انداز سے دہلی۔

”انجو۔ تو نے تھویز اچانک اتنا خشنہ اب گیا تھا کہ اگر زمین پر پھینکتی تو میرا باتھ جل جاتا۔“ رانی پکھی نے بتایا۔

”ماں۔ کیا بات کر رہی ہے؟“ اندر نے ضریبہ انداز میں بنتے ہوئے کہا۔ گرم چیز سے ہاتھ جلدی تو میرا باتھے لکھن تو خشنے تھویز سے جل رہی ہے؟“

”بم شیطان پر ستر کا گل باکل نہیں جاتی، تو کھنی نہیں کہ میں اُلطے پانی میں باخداں دیتی ہوں، اگر جل آگ پر بھی باختر کر کر دوں تو میرا پکھن گھرے گا۔“ رانی پکھی

نے اکشاف کیا۔ ”ای لئے اس نے تھویز کو اٹھ رہیں تھا، برف بنا دیا۔“

”ماں۔ کس نے نیا کیا؟“ انہوں نے جبرت زدہ ہو کر پوچھا۔

”بچکے ناواردی کام کوں کر سکتا ہے، انجو! وہ بھجے سے ناراضی ہو گیا ہے۔“ رانی پکھی نے گرفتہ لجھ میں کہا۔

”ماں اس میں پر بیٹاں ہوئے کی کیا بات ہے تو اسے ملے۔“ انہوں نے شورہ دیا۔

”تو نہیں جانتی کہ کیا جاتا ہے؟“ رانی پکھی نے ٹھنڈی سافن لے کر کہا۔

”مجھے تو باب اسی تھا کہ کہہ کر دیا ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”اور اب یہ جنون اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ بدلتے پر اپنے پر اپنے آیا ہے۔“ رانی پکھی نے بتایا۔

”تو کوئی کی بات مان کریں نہیں لگتی؟“ انہوں نے بولی۔

”اس کی بات اسے کام مطلب ہے کہ جیتے ہی سر جاؤں، وہ بھجے اپنی رانی باتا چاہتا ہے۔“ رانی پکھی نے اناہ کے سامنے کی سکلی کی طرح راز اگھی دیا۔

”یہ کوئی پاپ تو نہیں۔“ انہوں نے بولی۔ ”ویسے کہی وہ کیا با اُٹھنے ہے، اسی نے جیتے ہی سر پر تائی جھا۔ پھر تو کیوں بھاگ رہی ہے؟“

”بام۔ انجو! ایمی یہ بات نہیک ہے کہ اس کے بھج پران گفت احشات ہیں، وہ بھپن سے میرے ساتھ ہے، اس اُنگی پتھر ایک طرح سے اس نے بھجے اپنی کچھ کر چلا

سکھا ہے، ایک انسان شیطان عورت کو یہ اڑاکی بی بی بدلتا ہے، یہ سب اپنی جگہ درست ہے لیکن میرا اسٹلی یہ ہے کہ اگر میں کی رانی ہیں گئی تو یہی اُنگی پتھر نہیں تھا

ہو جائے گا، پھر کو رانیوں کی کی نہیں لیکن میری سر جاؤں پر اڑ رک جائے گی، میرے پر کھ جائیں گے۔ پھر میری منزل نہیں، بھجے بے شیطان بھک پہنچا ہے۔“ رانی پکھی نے بہت

صاف لفکوں میں اسے سمجھا۔

”اگر اسے رانیوں کی کی نہیں ہے تو پھر وہ تھرے سے انشاڑا میں کیوں ہے؟“ انہوں نے سوال انھیا۔

”بیساٹ نے تھج بیتا، وہ پھنپن سے میرے ساتھ ہے، میں اس کی چاہت ہوں، پھر میرا انساں ہو، اس کے لیے باعث کشش ہے، وہ بے پارہ بھی کیا کرے، میری جوان

ٹوڑاں اٹھا رہے ہیں اپنی تھی، انجو تھجیں میری تھویزی بہت جھلک ہے۔“ رانی پکھی یہ کہ رہی تھی۔

”ماں میں جانی ہوں، تیری آنکھوں میں اب بھی بوری کشش ہے۔ پر ماں اب تو بڑھا یا ہو گئی، بھجے بھک تیڑا کریں دیا رہے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”انجو۔ پیر سر بر اس دنیا ملک ہے، دنیا چورتے ہیں اس پسند روپل جاتا ہے، بلکہ اپنی اپنی اچاہتا ہے کہ میں اس دنیا کو چورڑوں، جیتے ہی سر جاؤں، دنیا چورتے ہی ترقی رک

جائے گی..... پھر میری منزل نہیں اسی لئے اس کی رانی بخنس سے اپناری ہوں۔“

”ماں تیرے اس بھج کرے میں بھجے نہیں تھے۔“ انہوں نے پوچھا۔

”نہیں تھے کچھ نہیں ہو گا۔ میں بچ کو سنبال لوں گی، تو پر بیٹاں نہ ہو۔“ رانی پکھی نے تھویز کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”دکھنی ہوں گرم ہو اک نہیں۔“

رانی پکھی نے احتیاط سے چاندی کے تھویز کی طرف اور دوسرے شہزادگاں کے ساتھ جانے کا شکار کر دیا۔ اس نے تھویز اٹھا کر سُنی میں لے لیا اور پھر کارکر تھیں ہوئی بولی۔ ”چل انجو۔ تیار ہو جا۔“

”ماں....! میں تیار ہوں۔“ انہوں نے پوچھا۔

”اچھا بھر سانے دیکھ کر۔ بول کیا انکھا رہا ہے؟“ رانی پکھی نے پوچھا۔

”ماں! میرے سامنے ایک اس ہے جو سماں دیں سہی ہوئی ہے اور سر، اٹھارہ سال کی بڑی بیس سے اتر رہی ہے، اچھی پیاری لڑکی ہے، اس نے نیلے بھک کی چادر اڑھہ رکھی ہے۔“

”اس لڑکی کا نام رہشا ہے اور یہ سے اپنے بھائی بخسی ہے۔“

”اس لڑکی کا نام رہشا ہے اور یہ سے اپنے بھائی بخسی ہے۔“

”اس لڑکی کا نام رہشا ہے اور یہ سے اپنے بھائی بخسی ہے۔“

”اے بڑا بھوٹے رہشا سے رہشا کے سامنے اپنے بھائی بخسی ہے۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔ وہاں اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔ یہ ایک غریب گھر نہ تھا۔

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹا جائے۔“ رہشا کی دلیل تھی۔ ”روشا کی مان نے اپنی بھائی بخسی سے جو دوسرے دو نہیں تھے، وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں جا رہی تھی۔“

”روشا کوئی بیس سے بن کر بھی اپنی انھیں کاٹ

ان دونوں نے روشنائی کے دام کمرے کر کے ایک بجھت کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ ایک بڑا اسکنٹر تھا جو بیرون ملک عورتوں کو اسمگل کرنے کے دھنے میں ملوث تھا۔ روشنائی کو کسی عرب ملک میں بھیجا چاہتا تھا لیکن اس کے لیے کچھ وقت درکار تھا۔ پاسپورٹ، ویزا اور جعلی شور کا انتظام کرنا تھا۔ اس اثنامیں اس اسکنٹر نے ایک سیاسی شخصیت کو جو زیر تھا اور اس کے کام میں معاون تھا، کو روشنائی کو بطور "تجنہ" دینے کی تھانی۔

اس وقت روشنائی اس با اشیائی شخصیت کی ایک خفیر بائش گاہ پر موجود تھی۔ آج بیان پبلارن تھا۔ وہ کھانا کھا کر گہری نیند سولی ہوئی تھی اور اسے سوئے ہوئے خاصی دیر ہو گئی تھی۔ وہ عورت پھر کرے میں داخل ہوئی اس نے روشنائی کو اخفاپی اور اسے نہانے کے لیے واش روم بھیج دیا۔ روشنائی وہ کرنٹی تو اس نے ایک اور عورت کو اپنا منظر پایا۔ اس عورت نے اپنے ساتھ لائے ہوئے جوڑوں میں سے ایک منتخب کر کے روشنائی کو پہنایا اور ذرینگ نیل کے سامنے بھاکر اس کے بال خلک کر کے سوارے، اس کا ایک اپ کیا اور جب وہ پیش ان اپنے کام سے مطمئن ہو گئی تو اپنا یک بند کر کے دہاں سے چل گئی۔ کچھ دیر بعد وہی عورت اندر داخل ہوئی جس نے اسے کھانا دیا تھا، اس عورت نے روشنائی کو بغور دیکھا۔ میک اپ کے بعد روشنائی زمین آسان کا فرق پر گیا تھا، وہ مزید ڈکش اور جسیں ہو گئی تھی۔

اس عورت نے اس کا باتچہ پکڑا اور بولی۔ "آؤ میرے ساتھ۔" روشنائی اس کے ساتھ کسی معمول کی طرح چل دی۔ وہ کرے سے نکل کر لا ڈنخ میں آئی۔ لا ڈنخ سے بیڑھیاں اور جاری تھیں۔ وہ روشنائی کو لے کر اپر پہنچی۔ دہاں دو دروازے تھے، وہ عورت اسے پہلے دروازے سے لے کر اندر داخل ہوئی۔ روشنایب اس کرے میں داخل ہوئی تو چند لمحوں کے لیے کچھ اکر رہ گئی۔

☆.....☆.....☆

حکمتی کی آواز سن کر اس نے سرخ نیلگوں سیٹ کی طرف دیکھا اور پھر بینڈ پر بینڈ کر ریسور افالیا اور بولا۔ "بیلو!" "میرا خیال ہے کہ آپ نے شادر لے لیا ہو گا، میں ناشتہ بھواری ہوں۔" سونی نے بڑے بڑے تنے تے انداز میں بات کی اور ریسور کر دیا۔ پانچ منٹ کے بعد دروازے پر دسک ہوئی اور ایک تدا اور لڑکی باتھ میں نہ رے لئے اندر داخل ہوئی۔ پہلی نظر میں وہ ایک ہوسک گئی۔ اس نے جلباں پکن رکھا تھا، وہ کسی ایک لائن کے یونیفارم سے مشابہ تھا۔ اس "بادری" لڑکی نے سکرا کر نہ رے بیڑ پر رکھی۔ عابر کو محسوں ہوا جیسے یہ کسی بڑے ہوٹل کا کراہے۔ اس نے لڑکی سے پوچھا۔ "یہ کیا مجھے ہے؟" لڑکی جوڑے رکھ کر سیدھی ہو رہی تھی، دوبارہ بھی، گلے میں پڑا بوا اپنا شاخی کا رذپلٹ کر اس نے عابر کے سامنے کیا۔ کارڈ پر انگریزی میں لکھا تھا۔ "بڑا کرم ہم سے سوال مت بینجھ۔"

"اوکے!" عابر نے خوش شکل لڑکی کی طرف دیکھ کر اثبات میں گروں ہلائی اور ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ناشتے سے فارغ ہوئے ابھی دو منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ چائے آگئی۔ لڑکی نے ناشتے کے برتن سینہ اور نظریں جھکائے سکراتی کرے سے چل گئی۔ چائے پی کر عابر بینڈ پر دروازہ ہو گیا۔ اس کی بھجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اسے آرزو کے گھر سے اغوا کیا گیا تھا، اغوا کرنے والے نہ صرف اس کے نام سے واقع تھے بلکہ اس کی شکل سے بھی آشنا تھے جبکہ عابر نے انہیں کچھ نہیں دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آرزو سے اچا بکھار پا کر پریشان ہو گئی۔ آرزو کے بارے میں عابر کا پبلاراٹ ایک اچھی لڑکی کا قاتا پھر یہ ایک دھیرے دھیرے دھیرے دھیرے ٹوٹا گیا۔ جوں جوں اس سے ملا تھیں بوتی تھیں، اس کے چہرے سے نتاب اترتا گیا، وہ اندر سے کچھ کی کچھ نکل آئی۔ پہنچیں وہ عابر سے کیا چاہتی تھی۔ .....؟ عابر کچھ سکھا، کچھ نہ سکھ سکا۔ اتنا اسے ضرور اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک اچھی ہوئی لڑکی ہے۔ ایک تھجیدہ کروار.....! ابھی آرزو کی "حکمتی" نہیں سمجھ تھی کہ ایک نیا کھیل شروع ہو گیا۔

اسے اغوا کیا گیا تھا۔ یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں تھی لیکن اغوا کرنے والے کون تھے، ان کا مقصد کیا تھا، یہ ابھی راز تھا۔ کیا اسے تاداں کے لیے اغوا کیا گیا تھا؟ ایسی کوئی بات ابھی تک سامنے نہیں آئی تھی پھر اغوا کرنے والوں کو یہ ضرور معلوم ہو گا کہ اس کے عوض علی نثارتی رقم دے سکتے ہیں۔ ایک ملازم پیشہ غرض اپنے بے روزگار بننے کا مہلا کیا تاداں دے سکتا ہے۔ یہ اندازہ لگانے کوئی مشکل کام تو نہیں تھا۔

پھر اس کے ساتھ جو سلوک ردار کھا گیا تھا، وہ قیدیوں جیسا تھا۔ اسے بیان بطور خالص مہمان رکھا گیا تھا۔ آخر یہ لوگ اس سے کیا پا جائے تھے؟ اب اس مسئلے پر سونی ہی کچھ روشنی دال سکتی تھیں لیکن وہ بھی کسی سوال کا سچھ جواب دینے سے گریز ایں تھی۔ ابھی وہ انہی خیالات میں نکالاں دھیکاں تھا کہ دروازے پر بکھلی سی دسک ہوئی اور چند لمحوں بعد دروازہ کھلا۔ سونی کی خوبصورتی کی طرح سکراتی ہوئی عابر کی طرف بڑھی۔

عابر انھ کر بینڈ گیا۔ سونی چاہتی تو سامنے پڑے ہوئے صوف نے پر بینڈ کی تھی لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ وہ بے تکلفی سے بینڈ پر اس کے سامنے بر اجانب ہو گئی اور بڑے محبت آیز لبھ میں بات شروع کی۔ "آپ نے دیڑیں سے پوچھا تھا کہ یہ کیا جگہ ہے، سیکھ سوال آپ نے مجھ سے بھی کیا تھا کہ میں کہاں ہوں..... میں آپ کہتا ہوں کہ یہ کیا جگہ ہے اور آپ کہاں ہیں، اس وقت آپ جس کرے میں تھیں ہیں، یہ ہمارے ریسٹ باؤس کا وی آئی پی رومن ہے، یہ ریسٹ باؤس ایک بڑے فارم باؤس کا حصہ ہے، فارم باؤس کے ایک جانب ڈاکٹر انتہار کا ریسرچ انٹریٹ ہے، ڈاکٹر انتہار ہرہ وقت تھیں میں صرف رہتے ہیں، انہیں نہ فتنی ریسرچ کا شوق ہے، ہمارے پاس ایک چھوٹا سا زو بھی ہے، اساف کے لیے ایک بڑی ہی کینٹین ہے، بیان کا سارا اساف یونیفارم پہننے کا پابند ہے۔" یہ کہہ کر وہ چند لمحوں کے لیے رکی۔

"سونی صاحبہ! مجھے کیوں پابند کیا گیا ہے، یہ بتانا پسند کریں گی؟" عابر نے فوراً سوال کیا۔

"یہ بات آپ کو ڈاکٹر انتہار بتائیں گے۔" سونی بولی۔

"کیا مجھے ڈاکٹر انتہار کے ایما پر اغوا کیا گیا ہے؟" عابر نے پوچھا۔

"ہوتا تو یوں ہے کہ بندے کو اغوا کر کے تاداں دھول کیا جاتا ہے لیکن ہم نے آپ کے عوض تاداں لینے کے بجائے تاداں دیا ہے۔" سونی نے اکٹھاف کیا۔

"تاداں دیا ہے؟" عابر یہ کو حیرت زدہ ہے۔ "کے دیا گیا ہے تاداں.....!"

"سینا کو۔" سونی نے بتایا۔

"یہ سینا کون ہے، میں نہیں جانتا۔" عابر بولا۔

"آپ اسے بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا موبائل آن کیا اور چند لمحوں بعد موبائل کا رخ عابر کی جانب کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کیسیں؟"

اسکرین پر جو تصویر نظر آئی، اسے دیکھ کر عابر کو سکھ سا ہو گیا۔ وہ پریشان ہو کر بولا۔ "یہ آرزو ہے، ڈاکٹر آرزو..... ایک پیٹر۔"



اُس شخص کو دیکھتے ہی سونی کی پیشانی پر سلونس پر چکنیں۔ پھر فوراً اس نے اپنے چہرے کا تاثر بدل لیا۔ وہ سمجھیدہ ہو کر ”شابانہ“ انداز میں بینچنی۔

آنے والا شخص یکورٹی افسر سندھ خان تھا۔ وہ ایک یحیم شیخ جسے کا چاق و چوبند خوب روشن تھا۔ وہ سونی کے بارعب ہو کر بینچنے سے قطعاً متأثر نہ ہوا اور تریپ آگر بولا۔

”آپ کو صاحب نے بلا یا ہے۔“

”اچھا نمیک ہے۔“ سونی نے یہ بات کچھ اس انداز میں کہی جیسے کہا ہو میں نے سن لیا، اب دفعہ ہو جاؤ۔

سندھ خان فوراً اپسی کے لیے مڑا اور بے تاثر چہرے کے ساتھ کرے سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد سونی بھی کھڑی ہو گئی۔ اس نے عابر کی طرف سکرا کر دیکھا، دونوں موبائل فونز اخھائے اور بغیر کچھ کہے کرے سے نکل گئی۔

باہر نکل کر سونی نے اپنا موبائل فون آن کیا اور بولی۔ ”آپ کہاں ہیں؟“

”اپنے کرے میں۔“ ادھر سے جواب آیا لیکن رد کئے انداز میں۔

”ٹھیک ہے، میں دو منٹ میں ہتھ رہی ہوں۔“ سونی نے کہا اور تیز تیز چلنے لگی۔

ڈاکٹر انتبار کے جواب سے اسے اندازہ ہو گیا کہ کوئی گزر بڑا ہو گئی ہے۔ اُسے یہ بات اچھی طرح پتا تھی کہ عابر کے کرے میں جدید ترین کیسر انصب تھا۔ تصویر کے ساتھ سرگوشی میں کی جانے والی گفتگو بھی صاف اور واضح انداز میں ریکارڈ کی جاسکتی تھی۔ سونی نے عابر سے کی گئی گفتگو کو اپنے ذہن میں ”ری وائسڈ“ کر کے دیکھا اور سننا۔ تب اسے احساس ہوا کہ کتنی جگہ اس نے غیر مقاطع گفتگو کی ہے لیکن وہ ایسی نہ تھی کہ اسے فوری طور پر طلب کیا جاتا۔

ڈاکٹر انتبار رات کو کیونکہ دری سے سوتا تھا، لہذا وہ دو بجے کے بعد ہی آفس آتا تھا اور ابھی بارہ بجے تھے۔ وہ سوچنے لگی کیا سندھ خان نے کوئی ”ہاتھ“ دکھایا ہے۔ یہ بھی بولکا ہے کہ جس طرح وہ سوچ رہی ہے، اس طرح کی کوئی بات نہ ہو، کوئی اور ہی ارجمند معاملہ ہو۔

دروازے پر کھڑے گاڑی نے اسے دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا۔ وہ چہرے پر سکراہٹ بھیکھیر کر ڈاکٹر انتبار کے شاندار کرے میں داخل ہوئی۔ ڈاکٹر انتبار دائیں جانب اپنی آرام دہ کرسی پر پیچھے کی طرف جو کافی نہ دراز تھا۔ وہ بغیر کچھ کہے سونی کو اپنی جاندنیدہ نگاہوں سے دیکھا رہا، یہاں تک کہ سونی اس کے سامنے کرسی پر برا جہاں ہو گئی۔

ڈاکٹر انتبار چالیس پینتھا لیس سال کا وجیہہ شخص تھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت تھی جو اس کے چہرے کی نمایاں خوبی تھی۔ وہ ایک پھر تیلا شخص تھا، اس کے باسیں جانب کنی..... نیلیوں رکھتے تھے۔ میز پر تکن موبائل فون ترینے سے بجے تھے۔

”سر..... آپ نے بایا۔“ سونی نے مودبانہ انداز میں کہا۔

”سونی انتشار، آپ کو کیا ہو گیا ہے۔“ ڈاکٹر انتبار کا الجھہ کھڑا ہوا تھا۔

”کوئی مطلقی ہو گئی سر۔“ سونی نکر مند ہوئی۔

”میں نے ابھی روم نہ کو اسکرین پر دیکھا، یہ آپ نے کیا کیا، اس لڑکے کی گھر والوں سے کیوں بات کرادی؟“ ڈاکٹر انتبار نے اس پر فردہ جرم عائد کی۔

”سر..... میں نے ٹیکس سے بات کرائی ہے اور وہ سم موبائل سے نکال دی۔“ سونی نے وضاحت کی۔

”جانکا ہوں۔“ ڈاکٹر انتبار نے اسے دیکھا۔ ”لیکن بات کرائی کیوں.....؟“

”سر..... وہ بہت پریشان تھا۔ آپ نے اس کا خیال رکھنے کو کہا تھا۔ یہ مشکل سے ایک منٹ کی گفتگو تھی اور اس نے وہ کہا جو میں نے اسے بتایا۔“ سونی نے مزید وضاحت کی۔

”آپ کو نجھ سے اجازت لینا چاہئے تھی۔ آپ نہیں جانتیں کہ ہمارے ہاتھ سے ترپ کا ایک پانکل گیا۔“ ڈاکٹر انتبار نے سرزنش کے انداز میں کہا۔

”سر جانے اس لڑکے میں ایسا کیا ہے کہ مہربان ہونے کو تھی چاہتا ہے۔“ سونی نہ رانداز میں بولی۔

”مہربان یا فریفٹ.....؟“ ڈاکٹر انتبار نے اسے تیز نگاہوں سے دیکھا۔

”پہنچیں۔“ سونی نے ایک گھبرا سانس لے کر کہا۔

”لیکن مجھے سب پا چل گیا ہے۔“ ڈاکٹر انتبار نے اپنے لہجے کو معنی خیز بنا لیا۔ ”میں نے اس پر تیس لاکھ روپیے انویسٹ کئے ہیں، جب تک تیس لاکھ ڈالنے والوں، مجھے چین

ٹھیں آئے گا۔ میں آپ سے اس کی فائل واہس لے رہا ہوں۔"

"مر..... ایسا مت سمجھتے..... میرے طلاوہ اسے کوئی ڈل نہ کر سکے گا۔" سوتی تینیں سے بولی۔

"اچھا چلو..... نمیک ہے۔" ذاکر اعتبار کو چاک کچ بیاد آیا، اس لئے فوراً اس نے اپنا سوڈ بدل۔ "لیکن آنکھوں اسی کوئی نعلیٰ نہ ہو۔"

"نمیک ہوگی۔" سوتی نے بغیر کسی نہادت کے کہا۔

"آن وہ لڑکوں کے انترو ہونے والے تھے۔ ان کا کیا ہوا؟" ذاکر اعتبار نے سکراتے ہوئے کہا۔

"اٹرو یو جارجے رکھا ہے، آپ کے لئے پندرہ لڑکیاں منصب کی ہیں۔" سوتی نے اسے سکراتی نظروں سے دیکھا۔

"انہیں میرے کرے میں سمجھنے سے پہلے اچھی طرح سمجھا تو ہو گی؟" ذاکر اعتبار ہنسا۔

"میں جیجا ہی..... بہت اچھی طرح۔" سوتی نے اس کی طرف خاص انداز سے دیکھ کر کہا۔

یہ اسنٹھ کی دو آسامیاں خالی تھیں۔ بی ایسی لڑکیاں مانگی تھیں۔ بچپن لڑکوں نے درخواستیں بھوائی تھیں، جن میں سے سوتی نے تصویریں دیکھ کر چند رہ لڑکیاں کاہل کی تھیں۔ اس وقت لڑکیاں بڑے کرے میں موجود تھیں اور سوتی ایک ایک کر کے لڑکوں کو اچھی طرح سمجھا کر سمجھتی باری تھی۔

وہ انہیں سمجھا رہی تھی۔ "ذیکرے۔ اٹرو یو کرنے کے بعد اگر سر نے آپ کو سلیکٹ کر لیا تو وہ آپ کا باحکم پر کر رکھیں گے، سربت اچھے پاسٹ ہیں، وہ باتحد کیج کر یہ انداز و لگا کیں گے کہ آپ کو کس برائج میں سمجھا جائے، نمیک ہے؟"

اب گھر سے ملازدت کے لئے آنے والی جبڑو لڑکے "نمیک ہے" کے جواب میں "میں جھا۔" تکہی تو کیا کہتی۔

یہ ذاکر اعتبار عجب نظرت کا آؤی تھا۔ نام اس کا اعتبار تھا لیکن اجنبی ہے؛ قابل اعتبار تھا۔ وہ بس پیسے کا دیوان تھا، زر پست تھا، منوں میں بندے کو ششے میں اتارتے والا۔ کسی کو بینا، کسی کو بین اور کسی کو باب پستانے والا۔۔۔ وہ انسان کو خریدتا جاتا تھا اور کسی کو سوتے داموں میں خریدتا تھا۔ اگر بندہ پانچ لاکھ کا ہے تو وہ بھیں لاکھ ادا کرتا۔ اگر کوئی دوسوگز کے مکان پر راضی ہو سکتا تھا، وہ اسے ہزار گمراہ بکھر عطا کرتا۔۔۔ اگر کوئی بکھنے کو راضی ہے، تو اس کے گرد ایسا جاں بھاک کر دھنکش لٹکنے کے لئے گھنے بیٹھ پر جبور ہو جاتا۔ اس کے نزدیک ہر دھنکش کی کوئی نہ کوئی قیمت تھی اور وہ اس کی قیمت سے پانچ ملکا زیادہ دینے کا عادی تھا۔ وہ اسے اپنی اونٹ سمعت سمجھتا تھا۔ ایک پر پانچ دے کر دس کماں کا عادی تھا۔

ایک زمانے میں اسے سائیکل بھی میسر تھی، اب اس کے پاس ذاتی بیلی کا پڑا اور پٹیں موجود تھا۔ وہ خود کو نکلہ زر پست تھا، لہذا اس کی "زر والوں" سے دیتی تھی۔ سیاستدانوں کو وہ سمجھی میں رکھتا تھا، پرنٹ اور ایٹھر ایک میڈیا کے کنی ہوئے اس کے ذریعہ تھے۔

بنیادی طور پر وہ ایک سائنسدان تھا۔ اس نے انسانی دماغ پناہ سا کام کیا تھا۔ یہاں اس نے اپنی بیوہ کے لئے نہیں بلکہ انسان کو نقصان پہنچانے کے لئے کیا تھا۔ اس کی اس تھی ریچرچ کے لئے ایک بڑا ملک اس پر ہر وقت ذرا لکھی بارش کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔

ذاکر اعتبار نے پورے نلک میں لپس تام کر کر کی تھیں، اب اس کے پاس ذاتی بیلی کا پڑا اور پٹیں موجود تھا۔ وہ خود کو نکلہ زر پست تھا، لہذا اس کی "زر والوں" سے دیتی تھی۔

ذاکر اعتبار کا یہ تجربہ ابھی ابتدائی اسٹیشن میں تھا لیکن وہ پہلی اسید تھا کہ بہت جلد اپنے تجربے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس تجربے کے لئے انسانوں کی ضرورت تھی اور ذاکر اعتبار کی انسانوں کو اس تجربے کی "جیٹ" چھاپ کر تھا، کیونکہ جو جوان اپنی یادو اداشت کو کچھے تھے۔

اب عابر کی باری تھی۔

☆.....☆.....☆

آنکھ کھلنے کے بعد روشنائی کو دم کھینچنے کا احساس ہوا۔ ذرا ہوش بحال ہوئے تو اس نے خود کو کسی کی دھیان نہ کر سکتی۔ کوئی اخراج اس کے وجہ سے پہنچا سے ڈس رہا۔

کرے میں مکمل تاریخی، اتنی کہ ہاتھ کو ہاتھ سمجھائی نہ دی جاتا۔

"کون ہوتا ہے؟" روشنائی نے سزاہت کرنا پاہی۔

لیکن سوال یہ تھا کہ اگر اسے اپنی پہنچان کرنا ہاتھ تھا۔ اس کے مترد کی طرح اس کرے کو تاریک کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ "کالا چور" تھا اور کام لے چور کی تھی۔ ذاکر اعتبار کی طرح ان "کالا چور" کی مانگر و قلم بانے میں کامیاب ہو جاتا تو وہ اس سیکنٹاں کو دام صول کر سکتا تھا۔ اگر ذاکر کسی شریف انسان کی "ٹالٹیوں" کے ذریعے سے بے دام غلام ہایا جا سکتا تھا۔

ذاکر اعتبار کا یہ تجربہ ابھی ابتدائی اسٹیشن میں تھا لیکن وہ پہلی اسید تھا کہ بہت جلد اپنے تجربے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس تجربے کے لئے انسانوں کی ضرورت تھی اور ذاکر

اعتبار کی انسانوں کو اس تجربے کی "جیٹ" چھاپ کر تھا، کیونکہ جو جوان اپنی یادو اداشت کو کچھے تھے۔

اب عابر کی باری تھی۔

آنکھ کھلنے کے بعد روشنائی کی رہتی تھی۔ وہ ایک عورت تھی زریقہ تھی۔۔۔ اس کا روشنائی زیادہ واسطہ رہتا تھا۔ کھانا، پینا، پہنچنا، اور ہناء اور اس تاریک کرے نلک پہنچانا، سب کام زریقہ کرتی تھی لیکن کیا جاں کر کے دہا سے کام کے نلاد کوئی اور بات کرتی ہو۔

روشنائی کی شکنی دیکھتی رہتی تھی۔ وہ ایک عورت تھی زریقہ تھی۔۔۔ اس کا روشنائی زیادہ واسطہ رہتا تھا۔ کھانا، پینا، پہنچنا، اور ہناء اور اس تاریک کرے نلک پہنچانا،

سب کام زریقہ کرتی تھی لیکن کیا جاں کر کے دہا سے کام کے نلاد کوئی اور بات کرتی ہو۔

روشنائی کی شکنی دیکھتی رہتی تھی۔ وہ ایک عورت تھی زریقہ تھی۔۔۔ اس کا روشنائی زیادہ واسطہ رہتا تھا۔ کھانا، پینا، پہنچنا، اور ہناء اور اس تاریک کرے نلک پہنچانا،

کم نہ کرتی تھی۔

ایک دن جب روشنائی کے دل پر بہت بوجھ تھا۔ اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا تو وہ ہاتھ جوڑ کر زریقہ کے قدموں میں بیٹھ گئی اور اجنبی ڈکھ سے بوی۔ "کیا تمہارے پاس زبردست ہے، مجھے دے دو، میں مرنا چاہتی ہوں۔"

"ایک بات کر جو کوئی میں آئے۔" زریقہ نے دقدم پیچھے بیٹھے ہوئے بیڑا رہی سے کہا۔

"تم کی یہ نہیں جانتیں..... زہر کا مطلب نہیں سمجھتیں۔" روشنائی سوال کیا۔

"تجھے یہاں کیا پریشانی ہے، تو اس کھر کی رہانی ہے۔" زریقہ بوی۔

"میں رانی نہیں بننا چاہتی۔۔۔ مجھے نلاد کوئی نہیں دیکھتی۔۔۔ اس دوزخ بھری زندگی سے نجات دلاد۔" روشنائی فریاد کی۔

"تو ایک بے توہن لڑکی ہے، تو جیل میں ضرور ہے لیکن یاد کر کے تو اسے کام زریقہ کے لئے کھنٹا تو در کی بات، اس سے بات

کم نہ کرتی تھی۔

زریقہ نے بیٹھی ہوئی روشنائی کو اخغا یا اور اس کے منہ پر زور دا رتھپڑا کر بوی۔ "آنکھ، مجھے باتیں کہتا۔"

تحمیر پڑتے ہی روشنائی کو اپنی "اوقات" یاد آگئی۔ وہ ایسکی "رانی" تھی جسے ایک ماذم، بہن، بانٹنے کو تیار نہ کر سکتی تھی۔

زریقہ اسے تھپڑا کر کرے سے چلی گئی۔ جب دروازہ بند ہو گی تو وہ بینڈ پر کھنڈ کر طرح گری اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ جزو نگی گزارہ رہتی تھی، اس میں اس کی مرخی کا کوئی دغل نہ تھا، وہ بے بنی تھی اسی لیکن اس زندگی سے اسے گھنمن آئے گئی تھی۔ اسے اپنا وجہ سریزی ہوئی لاش لگتا تھا، اس کے نمیرے قلن المحتا تھا۔ اب وہ مر جانا چاہتی تھی۔

زریقہ نے تھپڑا کر کر اس کے ڈکھ کو مزید گبرا کر دیا تھا۔ وہ چاہتی تو "کاملے چور" سے کہہ کر اسے تھپڑ کا مزدھ کھا دیتا تھا۔ لیکن ان سے وہ پچھی گئی۔ وہ کسی "رکیل" کی آخر باتیں

کیوں نہیں۔

اس نے بینڈ کے ساتھ کھڑے ہو کر پیچھے کو دیکھا جو پوری رفتار سے چل رہا تھا۔ اس نے پچھا بند کیا۔ کری اخغا کر بینڈ پر کھنڈ کی اور اس پر چڑھ کر کر بندوں سے تیار ہونے والی

ری ٹکھے پڑتی، رتھی کے دوڑی سے جب اس کے ہاتھ میں آگئے تو اس نے میں دے کر اپنی گردن میں پھند کسادا اور پھر بچوں کے میں کھڑے ہو کر دوڑیں ہاتھوں سے رتھی تھا اور کری کولات مار کر بینڈ سے نیچے گرا دیا اور ہاتھوں سے رسی چھوڑ دی۔

چھمے سے جھوٹی روشنائی کو ترپنے دیکھ کر نارہ نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور ترپنے کر چکن۔ "ماں..... میں کر۔"

رانی ٹکھی نے اس کی چیخ نہ کرائی۔ کھنڈ کی ہوئی جو جلدی پھر پڑھا اور چوتھے گھر میں پیٹھی اناور پھر بیوک ماری۔

چھوٹ کارنے تھی اتارہ کے سامنے سے روشنائی کو خود کشی کا دنگراش منظر ناہب ہو گیا۔ اس منظر نے حواسِ متعطل کر دیئے تھے۔ اس نے گھر سے سانس لے کر اپنے

حوال کیے۔

"چل ان جو..... تکل آچ جتھے گھر سے۔" رانی ٹکھی نے چاندی کا بھاری تھوڑی تھوڑی اپنے گھر سے نکل آئی۔

وہ حسن میں بھوکن کی وجہ سے چار پانی پر جائی۔ اتارہ چار پانی پر بینڈ کر رانی ٹکھی کی ناگزینی دیا گئی۔ رانی ٹکھی نے اپنی آنکھوں پر ایک ہاتھ رکھ لیا اور بولی۔ "آنچو۔

PDF BY Manzoor

”ہاں۔ اماں دیکھ لیا۔“ ازارد نے مختلہ سانس لے کر کہا۔ ”پھر دیا الناک انعام۔۔۔ اماں، کیا بنا نے دالے نے ہمیں آنسوؤں سے بنا یا ہے؟“  
”ہاں انجو، یونہی سمجھ لے۔“ رانی پنکھی بولی۔

”اماں۔۔۔ یہ بتا دو اندھیرے میں اپنا منہ چھپا کر آنے والا شخص کون تھا؟“ ازارد نے پوچھا۔

”وہ کالا چور تھا اور کافی چور کا کوئی نام نہیں ہوتا۔“ رانی پنکھی نے حقیقت بیان کی۔

”ہاں اماں۔۔۔ تو نحیک کہتی ہے۔“ ازارد بولی۔

”انجو، میں چاہتی ہوں کہ تیرے بقیہ گھر جلدی جلدی تجھے دکھادوں۔ مجھے اب بٹا کی طرف سے خطرہ لاحق ہو گیا ہے، دہ جانے کب کیا کر بیٹھے۔ یہ تیرے گھروں کا چکر بٹھی جلد بوسکے، پورا ہو جائے، اگرچہ مجھے گھر دکھانے میں خاسی تحریک ہو جاتی ہے لیکن اب یہ کام جلد کرنا ہو گا۔۔۔ اب میں تجھے کل رات ہی پانچواں گھر دکھاؤں گی، تیار رہنا۔“

”اماں۔۔۔ میں ہر وقت تیار ہوں، تو چاہے تو بھی مجھے پانچیں گھر لے چل۔“ ازارد بڑھ جوش بوجو کر بولی۔

”اب اتنی بھی آتا ہلی نہ ہو۔۔۔ میں کل رات تجھے ضرور پانچواں گھر دکھاؤں گی۔“

”چل نحیک ہے اماں۔“ ازارد نے کہا اور اس سے پہلے کہ رانی پنکھی اسے کمرے میں جانے کی ہدایت کرتی، ازارد خود انہوں کھڑی ہوئی۔ ”اماں میں کمرے میں جاتی ہوں۔“

رانی پنکھی کی حالت اب بحال بوجھی تھی۔ وہ اٹھ کر چار پائی پر بینچنے لگی۔

تب کسی نے اس کی چار پائی اٹھ دی اور ددھ سے انہوں کے فرش پر آگری۔

☆.....☆.....☆

ابھی تک عابر کی ڈاکٹر انتبار سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ یہ بات سوتی اور ڈاکٹر انتبار اچھی طرح جانتے تھے کہ اس فارم باؤس سے عابر کا داہیں جانا ممکن نہ تھا۔ اس نے سوتی نے یہاں کے بارے میں جو معلومات عابر کو دے دی تھیں، ان کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر انتبار نے سوتی کی کوئی گرفت نہ کی تھی، اسے بس عابر کے گھر والوں سے رابطہ کرائے جانے پر غصہ تھا۔ دراصل وہ اس جذبائی مسئلے کو ترپ کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا لہذا اس نے سوتی کو تنبیہ کر کے آئندہ اس طرح کی حرکت سے روک دیا تھا۔

لیکن اتنا ضرر ہوا تھا کہ عابر کو قید تھا اسی سے نجات مل گئی تھی۔ اب وہ کمرے سے باہر نکل سکتا تھا۔ یہ ریسٹ ہاؤس چار کھروں پر مشتمل تھا۔ برابر برابر ایک لاکن میں چار کمرے تھے، ان کھروں کے سامنے برآمدہ تھا، برآمدے کے سامنے ہر ابجر لائن تھا اور اس لائن کے اطراف میں باڈنڈری والی تھی۔ عابر کو اجازت تھی کہ وہ کمرے سے نکل کر لائن میں چل قدمی کر لے یا وہاں موجود کریں پر شام کی چائے پی لے لیکن اس باڈنڈری والی سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ گیٹ پر سیکورٹی گارڈ موجود تھیں۔ ایک لیڈی گارڈ تو اب بھی اس کے کمرے کے دروازے پر ہمہ وقت موجود رہتی تھی۔

عابر کو اندازہ ہوا کہ ریسٹ ہاؤس کے بقیہ تین کمرے خالی تھے۔ ایک تو ان کھروں کے دروازوں پر کوئی لیڈی گارڈ موجود نہ تھی، دوسرے عابر نے ان کھروں سے کسی کو باہر نکلتے نہ دیکھا تھا۔

عابر کو اس ریسٹ ہاؤس میں کوئی تکلیف نہ تھی۔ لیکن وہ اپنے گھروں سے بات کرنا چاہتا تھا۔ سوتی کو بھی اس معاملے میں کوئی مفہاًۃ نظر نہیں آتا تھا لیکن ”باس“ نے کیونکہ تنبیہ کی تھی اس نے وہ تھاٹھا ہو گئی تھی۔ وہ عابر کو مختلف بہانوں سے ہال دیا کرتی تھی لیکن جب عابر زیادہ ہی صبر بوا تو اس نے ڈاکٹر انتبار سے بات کی۔

”جیجا جی۔۔۔ عابر اپنی ماں سے بات کرنے کے لئے بے چین ہے۔ میں اب بہانے بہانہ کے نگ آ جھکی ہوں۔۔۔ آپ بہائیں کیا کروں۔“

”ابھی اس کی بات نہ کرنا۔۔۔ ہمارے پاس یہ ایک پادری فلی ہتھیار ہے، جب تک میں تجربہ نہ کروں، اس وقت تک رد کو۔“ ڈاکٹر انتبار نے فینلہ سایا۔ پھر بولا۔

”دراصل میں چاہتا ہوں کہ وہ تجربے کے لئے آمادگی ظاہر کر دے، جب تک بندہ ہبھنی طور پر آمادو نہ ہو، ہمارا تجربہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تم نے میری بات سمجھ لی؟“



بات ہی سچ ہونے والی تھی۔

اہر و نے کہا تھا۔ ”امان، مجھے پچھلے دھریں کا ایک ہوڑا سانظر آ رہا ہے۔“

رانی پچھی نے یہ کہ دہراہیت کی۔ ”اب جو..... پانی آنکھیں کھول دے۔“

اہر و نے آنکھیں کھولنے میں ایک لمحہ بھی صاف نہ کیا۔ وہ آنکھیں کھول کر بولی۔ ”امان، میں نے آنکھیں کھول دیں۔“

”اب تجھے کیا نظر آ رہا ہے۔“ رانی پچھی نے نگر مندی سے کہا۔

”امان..... یہ کیا چاہتا ہے۔“

”پر بیان کرنا چاہتا ہے۔“ رانی پچھی بہم بہر کر بولی۔ ”مرے کام میں رکاوٹ ڈال کر مجھے عاجز کرنا چاہتا ہے۔۔۔ لکھ شاید وہ نہیں جانتا کہ میں بار ما نے والی نہیں۔ وہ اس طرح کے اور جو ہنکنڈوں سے مجھے جیت نہیں سکتا۔“

”امان..... میرے پانچھیں گھر کی کیا ہو گی؟“ اہر و نگر مند ہو گئی۔

”وزرا انتشار کر۔“ رانی پچھی بولی۔ ”تو پانچھیں گھر میں بیٹھی رو۔ میں دیکھتی ہوں۔“

”تجھکے ہے میں۔“ اہر و جو پانچھیں گھر سے اٹھنے کی تیاری کر رہی تھی، ٹھیکن سے بیٹھ گئی۔

رانی پچھی نے چاندی کا تھوڑا اپنے گھنے میں ڈالا اور کچھ سروچ کر ساتھیں گھر سے اٹھنی اور کرے کے دروازے کی طرف ہو گئی۔

رانی پچھی کو کرے کی طرف جاتے دیکھ کر اہر و بولی۔ ”امان تو کہاں جا رہی ہے۔“

”میں اندر جا رہی ہوں۔ میں آئی تو آرام سے بیٹھ۔“ یہ کہ رانی پچھی کرے کے دروازے میں بافل ہو گئی۔

اہر و کرے تھے۔ ایک کرے میں اہر و کی رہائش تھی جبکہ دروازے کرے میں رانی پچھی کا سامان پا تھا۔ وہ کرے میں کی ضرورت سے ہی آئی تھی، ورنہ سارا دن میں میں پہنچ پا گی تو آرٹی تھی۔ رات بھی اس کی بھی میں گزرتی تھی۔ کرے میں الٹم سامان بھر تھا۔ دیوار میں غیر الماری میں اس کے کچھ کپڑے رکھتے تھے۔

اُس سے معلوم تھا کہ سوئی کہاں رکھی ہے۔ اُس نے کامے دھاگے کی بھنی سے سوئی تھا اور بہر آگئی۔ پھر اس نے چارپائی پر کھڑے ہو کر نیم کے پتے توڑے اور واپس ساتھیں گھر میں آگئی اور اپنے خاص انداز میں ہمچکہ ادا کر رینجھنی۔

اُس نے سوئی واپس ہاتھ میں کپڑی اور بائیں باٹھ کی ہیلی انگلی پر ماری۔ انگلی میں سوئی سکھتے رانی پچھی کے درے سے باقیا ”سی“ کی آواز تھی۔ اس نے جلدی سے سوئی بیٹھے میں ٹکرائی۔

جب خون بہر آگی تو اس نے خون کی اس بندوک نیم کی پتی پر منتقل کر لیا اور خون گی پتی کو دوسرا پتیوں کے اوپر رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے بڑھانے کے انداز میں بولنا شروع کیا۔

اہر و کی بھنیں کچھ نہیں آ رہ تھا کہ رانی پچھی کیا کر رہی ہے۔ اس کے مند سے تکلیف زدہ آواز میں کہا جو چکری، بیٹات آچکتی۔ کلاخ کی تیاری ہو رہی تھی۔

بوتلے بولتے اچاہک رانی پچھی کی نظر نرم کی چیزوں پر پڑی تو اسے دہاں پہنچا نظر نہ آئی۔ رانی پچھی نے گھر اس اس لے کر ”جاپ“ بند کر دیا اور گھنے سے چاندی کا تھوڑا

”امان میں کب کی ٹیکڑی بھی کوپ کر دیا جائے۔“

”چل پہنچا ایکھیں بند کر۔“ رانی پچھی نے ہمایت کی۔

”کر لیں اماں۔“ اہر و کی آواز آئی۔

”اب دیکھ انجو۔۔۔ سا سے کیا نظر آ رہا ہے۔“ رانی پچھی بولے۔

”امان..... میں دس بارہ سال کا لڑکا دیکھ رہی ہوں، جو دو بیانوں نے پہنچے کرے پہنچے ہوئے ہے۔ گول مژوں حصوم سا ہے۔“ اہر و نے بتایا۔

”یا مسل و دلباء ہے۔“ رانی پچھی کے اکشاف کیا۔ وہ خوش تھی کہ اہر و پانچھیں گھر میں جانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

””یہ..... اتنا چھوٹا سا۔“ اہر و حیرت زدہ ہو گئی۔

”جاتی ہے۔۔۔ یہ کس کا دلباء ہے۔“ رانی پچھی بھس کر بولی۔

”امان۔۔۔ کہنیں یہ سر تو ٹھیں۔“ اہر و پر بیان ہو گئی۔

”ہاں..... یہ تیرا دلباء ہے۔“ رانی پچھی نے پر لیتیں لجھ میں کہا۔

”بائے۔۔۔ نہیں۔“ اہر و سوت کر بولی۔

”چل اب ٹو۔۔۔ کھی بیا ورنی جا۔“ رانی پچھی نے کہا۔

جب بھر منظر بدل دیا۔ پہنچا گھر تھا کہ اگر اور توں اور لڑکوں سے گھر رہا تھا۔ لہن، ایک خوبصورت سہری پر بیٹھ گئی، بیٹات آچکتی۔ کلاخ کی تیاری ہو رہی تھی۔

وکیل دو گھوہوں کے ساتھ خوبی کی راہ پر یوں میں چلتے ہوئے ڈیوبن کے کرے مکے آپنے تھے۔ آنے والے فٹلی کے لوگ تھے، انہیں اندر بالی گیا۔

وکیل نے دلباء کا ہاتم، ولدیت اور میری کو قہارہ سالہ دلباء کو ”قبول“ کروالی۔ دہن روپیہ کے کٹا جانے پر دستخط لئے۔

روپی نے ”ہاں“ کرنے سے انکار کرنا چاہتا تو اس کے برادر بھنگی میں باتھ جوڑ کر کیا۔ ”روپی..... میری نہادی..... اس نزد کو قسم کا لکھا کچھ کر دی جا۔“

تب روپی نے تھیارا دال دیئے۔ ویسے بھی وہ جاتی تھی کہ اس نزد کو پیٹے بخیر پاڑ دیں۔ وہ تباہ اندر ہے، بہرے لوگوں سے نہیں لڑکتی تھی۔

یہ آنا پرست، روایت پرست، یہ برادر یوں میں بے لوگ۔۔۔ بیٹھیں پر جانکار و ترجمی دیئے والے زور پرست۔۔۔ ان پتھر کی دیواروں سے دوسروں پھر ہٹکتی تھی لیکن ان

دیواروں کو گرا نہیں سکتی۔ بندہ اس نے اس کے کچھ پاس زبر کو قسم کا لکھا کچھ کر پیٹے میں ہی عافیت جانی۔

وہ چھ بھائیوں کی اکٹی بین تھی۔ اس زمیندار گھر میں بندہ کیوں کو پڑھانا میں سوچتا تھا۔ سمجھا جاتا تھا لیکن روپی ناٹھوں دیکھ دیتے۔ جو میں اور لذی اور

لذی ہونے کی وجہ سے بھائیوں نے بھی ناٹھتی نہیں۔ اُسے کامیں پڑھنے اور بھائیوں میں رہنے کی اجازت نہیں۔

گھر سے رخصت کرتے وقت البتہ بڑے بھائی رضوان نے اتنا ضرور کیا۔ ”تم تھماری ضردا رشوق پر جسمیں شہر کچھ رہے ہیں، تباہی ہو تو تباہی دا اپن آتا۔“

سلہ زر میر بکر نہ ہے، بھی ہے سر عتی حز و دوسروں نے دوڑی زر زریں ہیں۔ برو، برو، ساد۔۔۔ دوڑی، دوڑی، دوڑی۔۔۔ دوڑی، دوڑی، دوڑی۔۔۔

وکیل دو گھوہوں کے ساتھ خوبی کی راہ پر یوں میں چلتے ہوئے ڈیوبن کے کرے مکے آپنے تھے۔ آنے والے فٹلی کے لوگ تھے، انہیں اندر بالی گیا۔

وکیل نے دلباء کا ہاتم، ولدیت اور میری کو قہارہ سالہ دلباء کو ”قبول“ کروالی۔ دہن روپیہ کے کٹا جانے پر دستخط لئے۔

روپی نے ”ہاں“ کرنے سے انکار کرنا چاہتا تو اس کے برادر بھنگی میں باتھ جوڑ کر کیا۔ ”روپی..... میری نہادی..... اس نزد کو قسم کا لکھا کچھ کر دی جا۔“

تب روپی نے تھیارا دال دیئے۔ ویسے بھی وہ جاتی تھی کہ اس نزد کو پیٹے بخیر پاڑ دیں۔ وہ تباہ اندر ہے، بہرے لوگوں سے نہیں لڑکتی تھی۔

یہ آنا پرست، روایت پرست، یہ برادر یوں میں بے لوگ۔۔۔ بیٹھیں پر جانکار و ترجمی دیئے والے زور پرست۔۔۔ ان پتھر کی دیوار کی دیواروں سے دوسروں پھر ہٹکتی تھی لیکن ان

ویا دروں کو گرا نہیں سکتی۔ بندہ اس نے اس کے کچھ پاس زبر کو قسم کا لکھا کچھ کر پیٹے میں ہی عافیت جانی۔

روپی نے اس کی بات کچھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ”میں بھائی۔“

روپی ایک بھدردار اور مطاطڑ کی تھی۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کا کس گھر میں جانے والے تھے اور اس کے بارے میں کہا جائے۔

وہ جو لیتی سے ”شریک حیات“ تختہ کرنے نہیں نکلی تھی۔ اسے پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ وہ کامیں سے ڈگری کے حوصلے کے میں لیتے تھے اور اس کے بارے میں کہا جائے۔

یہ آنا پرست، روایت پرست، یہ برادر یوں میں بے لوگ۔۔۔ بیٹھیں پر جانکار و ترجمی دیئے والے زور پرست۔۔۔ ان پتھر کی دیوار کی دیواروں سے دوسروں پھر ہٹکتی تھی لیکن ان

ویا دروں کو گرا نہیں سکتی۔ بندہ اس نے اس کے کچھ پاس زبر کو قسم کا لکھا کچھ کر پیٹے میں ہی عافیت جانی۔

میر بکر نہ ہے، بھی ہے سر عتی حز و دوسروں نے دوڑی زر زریں ہیں۔ برو، برو، ساد۔۔۔ دوڑی، دوڑی، دوڑی۔۔۔

وکیل دو گھوہوں کے ساتھ خوبی کی راہ پر یوں میں چلتے ہوئے ڈیوبن کے کرے مکے آپنے تھے۔ آنے والے فٹلی کے لوگ تھے، انہیں اندر بالی گیا۔

وکیل نے دلباء کا ہاتم، ولدیت اور میری کو قہارہ سالہ دلباء کو ”قبول“ کروالی۔ دہن روپیہ کے کٹا جانے پر دستخط لئے۔

”میر بکر نہ ہے، بھی ہے سر عتی حز و دوسروں نے دوڑی زر زریں ہیں۔ برو، برو، ساد۔۔۔ دوڑی، دوڑی، دوڑی۔۔۔“

وہ جو لیتی سے ”شریک حیات“ تختہ کرنے نہیں نکلی تھی۔ اسے پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ وہ کامیں سے ڈگری کے حوصلے کے میں لیتے تھے اور اس کے بارے میں کہا جائے۔

یہ آنا پرست، روایت پرست، یہ برادر یوں میں بے لوگ۔۔۔ بیٹھیں پر جانکار و ترجمی دیئے والے زور پرست۔۔۔ ان پتھر کی دیوار کی دیواروں سے دوسروں پھر ہٹکتی تھی لیکن ان

ویا دروں کو گرا نہیں سکتی۔ بندہ اس نے اس کے کچھ پاس زبر کو قسم کا لکھا کچھ کر پیٹے میں ہی عافیت جانی۔

میر بکر نہ ہے، بھی ہے سر عتی حز و دوسروں نے دوڑی زر زریں ہیں۔ برو، برو، ساد۔۔۔ دوڑی، دوڑی، دوڑی۔۔۔

وہ جو لیتی سے ”شریک حیات“ تختہ کرنے نہیں نکلی تھی۔ اسے پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ وہ کامیں سے ڈگری کے حوصلے کے میں لیتے تھے اور اس کے بارے میں کہا جائے۔

”میر بکر نہ ہے، بھی ہے سر عتی حز و دوسروں نے دوڑی زر زریں ہیں۔ برو، برو، ساد۔۔۔ دوڑی، دوڑی، دوڑی۔۔۔“

وہ جو لیتی سے ”شریک حیات“ تختہ کرنے نہیں نکلی تھی۔ اسے پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ وہ کامیں سے ڈگری کے حوصلے کے میں لیتے تھے اور اس کے بارے میں کہا جائے۔

”میر بکر نہ ہے، بھی ہے سر عتی حز و دوسروں نے دوڑی زر زریں ہیں۔ برو، برو، ساد۔۔۔ دوڑی، دوڑی، دوڑی۔۔۔“

وہ جو لیتی سے ”شریک حیات“ تختہ کرنے نہیں نکلی تھی۔ اسے پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ وہ کامیں سے ڈگری کے حوصلے کے میں لیتے تھے اور اس کے بارے میں کہا جائے۔

”میر بکر نہ ہے، بھی ہے سر عتی حز و دوسروں نے دوڑی زر زریں ہیں۔ برو، برو، ساد۔۔۔ دوڑی، دوڑی، دوڑی۔۔۔“

وہ جو لیتی سے ”شریک حیات“ تختہ کرنے نہیں نکلی تھی۔ اسے پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ وہ کامیں سے ڈگری کے حوصلے کے میں لیتے تھے اور اس کے بارے میں کہا جائے۔

”میر بکر نہ ہے، بھی ہے سر عتی حز و دوسروں نے دوڑی زر زریں ہیں۔ برو، برو، ساد۔۔۔ دوڑی، دوڑی، دوڑی۔۔۔“

وہ جو لیتی سے ”شریک حیات“ تخت

لازم دوڑتا ہوا اندر جویلی میں چاہی کیا۔ دوست کے بعد رضوان بینک میں آپنچا۔ "جی ابا۔"

احمل نے لازم غاص کو باہر جانے کا حکم دیا اور جب بینک میں وہ تیوں روگئے تو اجمل نے ندیم بخاری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ کام کا شہر سے آیا ہے اور ہماری روپی کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہے۔ میں نے اس کی پوری بات نہیں سنی۔ میرا خیال ہے کہ یہ کوئی بے ذوف لڑکا ہے، اس نے شیر کی کچار میں بلا سوچ کچھ قدم رکھ دیا ہے۔ اب تو اسے یہ بات اپنی زبان میں سمجھادے کہ ہم لوگ برادری سے باہر رشتہ نہیں کرتے۔ ویسے بھی اس کا رشتہ پھوپھی زاد سے طے ہو چکا ہے۔ میں چلتا ہوں تو اس سے نہ۔"

"نمیک ہے ابا۔" رضوان نے مطمئن لہجے میں کہا۔

احمل کے جانے کے بعد رضوان نے اسے اوپر سے یخچک دیکھا۔ پھر اس کے چہرے پر نظریں جاتے ہوئے سوال کیا۔ "جویلی تک آنے کی جرأت کیا تھیں روپی نے دی ہے۔"

"نہیں سر..... میں خود آیا ہوں۔ انہوں نے تو مجھے سختی سے منع کیا تھا۔" ندیم بولا۔

"پھر اس نے یہ بھی بتا دیا ہو گا کہ یہ رشتہ نہیں کسی صورت قبول نہیں ہو گا۔" رضوان نے اسے گھورا۔

"جی انہوں نے یہ بات بھی بتا دی تھی۔"

"پھر تمہاری مت کیوں ماری گئی۔"

"مجھے نہیں معلوم کیا چیز بمحضے یہاں لے آئی۔" ندیم بخاری دل کی بات کہہ نہ سکا۔

"در اصل جب گیڑ کی سوت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے اور جب کسی جنوں کی سوت آتی ہے تو وہ جویلی کی طرف بجا گتا ہے۔ تمہیں تمہاری سوت یہاں لے آئی ہے۔" رضوان نے اپنی سوچوں پر تاؤ دے کر کہا۔

"سر..... میں سوت سے نہیں ڈرتا۔" ندیم بخاری بے خوفی سے بولا۔

"جو کام تم نے کیا ہے، اس کا انجام بالآخر سوت ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں تمہیں کیوں چھوڑ رہا ہوں۔ میری گاڑی تمہیں تباہ رے گھر تک چھوڑ آئے گی۔ جاؤ۔" رضوان نے کھڑے ہوئے کہا اور بینک سے نکل گیا۔

ندیم بخاری کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہ کبھی گھر نہیں پہنچ سکے گا۔ یہ گاڑی کا نہیں بلکہ سوت کا سفر شروع ہو چکا ہے۔ محبت کا انجام بالآخر بھی ہونا تھا۔ وہ مطمئن تھا کہ اس نے اپنی محبت کو آخری منزل تک پہنچا دیا تھا۔ اب گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کے دل میں شدید خواہش جا گئی تھی کاش، و دروبینہ کو آخری بار دیکھ لیتا۔

دو گاڑی سے اتر کر جویلی کے بھاری در داڑے پر کھڑے رضوان کے پاس آیا اور بڑے موڈ بانہ انداز میں بولا۔ "سرایک درخواست ہے۔ اسے آپ میری آخری خواہش کبھی لیں۔"



زس نے تھوڑی دیر کے بعد آ کر بازوں میں ایک انگشٹ لگای۔  
اس انگشٹ کے لگتے ہی عابر کو ایک انوکھے سکون کا احساس ہوا۔

زس نے اس کے باقی میں ریبوت دیا اور بولی۔ ”آپ چاہیں تو فی وی دیکھیں۔ اگر فلم دیکھنے کا موڑ ہوتا ایک فلم پلیسی میں موجود ہے۔ وہ کچھ لجھے گا۔ ریبوت نیل پر موجود ہے۔ کوئی سٹلہ ہوتا کال نیل کا نہیں ہوتا جائیں گی، اور کے۔“

زس کے جانے کے بعد اس نے ریبوت نیل پر رکھ دیا۔ اسے فی وی فلم سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ آنکھیں بند کر کے کچھ سوچنا چاہتا تھا۔

اوے تجربے کے بارے میں کوئی بات نہیں بتائی گئی۔ بالکل انہیں مرے میں رکھا گیا تھا۔

اوے اپنا گھر را دیا۔ ای، ابو اور صائم اس کے لئے کتنے پر بیٹھاں ہوں گے۔ اگرچہ ان سے فون پر کئی مرتبہ بات ہو چکی تھی۔ لیکن اس نے انہیں جس انداز میں جو کچھ بنا دیا تھا، اس سے یہ انداز تو نکایا جا سکتا تھا کہ وہ جہاں ہے، خبریت سے ہے۔ لیکن جو کچھ وہ کہہ رہا ہے، اس پر یقین کرنا اتنا آسان نہ تھا۔ وہ اس وقت کو ساختا چاہجہب وہ آرزو کے چنگل میں پھنسا تھا۔

بھلا اسے کیا ضرورت تھی اس کے گھر جانے کی۔ وہ چلتے پھرتے اسے اپنا کارڈ تھا گئی اور وہ کچھ دھماگے سے بندھا، اس کے گھر جا پہنچا تھا۔ یہ ایک غیر رانش مندانہ قدم تھا جو اس نے بلا سچے سمجھے اٹھایا تھا۔

آرزو ایک فراہم کی تھی۔ ایسی عمار اور شاطر لڑکی کے سامنے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ تو بھلا ہو سوئی انتشار کا، جس نے اس کی شخصیت کا پردہ چاک کر دیا درمنہ اسے زندگی بھروس کے فراہم ہونے کا پاہانہ چلتا۔

اُس وقت وہ جہاں موجود تھا۔ اس جگہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اسے لگ رہا تھا یہ وہ آسمان سے گر کر گھور میں آنکھ گیا۔

یہ کون لوگ تھے، کیا چاہتے تھے۔ کچھ نہیں چل رہا تھا۔ ذاکر انتشار بنا ہر ایک مخصوص صورت شخص نظر آتا تھا، اندر سے وہ کیا لٹکے، کیا کہا جا سکتا تھا۔

بہر حال اب میر کے سوا اکیا چاہد تھا۔ وہ بڑی طرح جائز ہوا تھا۔ اس تدرخت پہروں میں تھا کہ یہاں سے لکھنا آسان نہ تھا۔

ابھی وہ مشترکی کا فحاد تھا کہ زس دسک دے کر اندر آگئی اور بولی۔ ”بلد چاہئے۔“

”خون..... کس لئے؟“ عابر نے پوچھا۔

”بلد نیٹ کرنا ہے۔“ اس نے کہا۔

”میرا خون بہت اچھا ہے۔ کسی قسم کی ٹینکنگ کی ضرورت نہیں۔“ عابر مسکرا کر بولا۔

”اچھا۔“ زس خوشی سے سکرانی اور پھروس نے سرخ کے ذریعے خاصا خون نکال لیا۔

”سرز..... ایک بات بتائیں۔“ عابر نے خون سے مجری سرخ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا تباہ سارا خون نکال لیا۔ آپ کہیں خون ہمی تو نہیں۔“

تب اسے اپریشن تھیز لے جایا گیا۔ دہاں اسے ایک بیڈ نما اسٹرچ پر لایا گیا۔ عابر کو سامنے ایک بڑا مانیٹر لگا دکھائی دیا۔ اس کے اسٹرچ پر لیٹتے ہی کی ذاکر دن نے اُسے گھر لیا۔ اُس کے سر پر مختلف آلات فٹ کر دیئے گئے۔ پاؤں اور ہاتھوں کو بھی مختلف تاروں سے نسلک کر دیا۔

جب تجربے کی تیاری مکمل ہو گئی تو ذاکر انتشار کو بیٹھا گیا۔ ذاکر انتشار نے ہر چیز کا معاہدہ کرنے کے بعد آگوہ رکان کے درمیان انگشٹ لگانے کا حکم دیا۔

انگشٹ لگتے ہی عابر پر ایک غنوہ گئی طاری ہو گئی لیکن وہ بڑی حد تک بوش میں تھا۔ اسے اپنے اور گرد ہونے والی گنگو صاف سنائی دے رہی تھی۔

”می..... عابر صاحب..... اب ہم اپنا کام شروع کرتے ہیں۔ اجازت ہے۔“ ذاکر انتشار کی آواز آئی۔

”می سر۔“ عابر بولا۔

”اُس وقت آپ کی عمر کیا ہے۔“ ذاکر انتشار نے سوال کیا۔

تب اسے اپریشن تھیز لے جایا گیا۔ دہاں اسے ایک بیڈ نما اسٹرچ پر لایا گیا۔ عابر کو سامنے ایک بڑا مانیٹر لگا دکھائی دیا۔ اس کے اسٹرچ پر لیٹتے ہی کی ذاکر دن نے اُسے گھر لیا۔ اُس کے سر پر مختلف آلات فٹ کر دیئے گئے۔ پاؤں اور ہاتھوں کو بھی مختلف تاروں سے نسلک کر دیا۔

جب تجربے کی تیاری مکمل ہو گئی تو ذاکر انتشار کو بیٹھا گیا۔ ذاکر انتشار نے ہر چیز کا معاہدہ کرنے کے بعد آگوہ رکان کے درمیان انگشٹ لگانے کا حکم دیا۔

انگشٹ لگتے ہی عابر پر ایک غنوہ گئی طاری ہو گئی لیکن وہ بڑی حد تک بوش میں تھا۔ اسے اپنے اور گرد ہونے والی گنگو صاف سنائی دے رہی تھی۔

”می..... عابر صاحب..... اب ہم اپنا کام شروع کرتے ہیں۔ اجازت ہے۔“ ذاکر انتشار کی آواز آئی۔

”می سر۔“ عابر بولا۔

”اُس وقت آپ کی عمر کیا ہے۔“ ذاکر انتشار نے سوال کیا۔

”هم..... آپ کو آہستہ آہستہ سڑ طے دار ارضی میں لے جائیں گے۔ آپ تیار ہیں۔“

”می تیار ہوں۔“ غنوہ گئی گھری ہوئی جا رہی تھی۔ عابر کو اپنی آواز در سے آتی ہوئی سنائی دی۔

سوال و جواب جاری تھے۔ ذاکر انتشار کے ذریعے اسے ہانپی کے مدنگوں میں لے جا رہا تھا، آہستہ آہستہ وہ بچپن کی حدود میں داخل ہو گئے تھے۔

پانچ سالہ عابر اپنی بچپن کی یادوں کو دہرارہا تھا۔ ذاکر انتشار کی نظریں مانیٹر پر جی تھیں۔ اسکرین پر کچھ انشکال اب گردی تھیں لیکن یہ واضح نہیں تھیں۔ ذاکر انتشار کی کوشش تھی کہ

یہ یادیں، یہ باتیں کسی طرح تصویری شکل اختیار کر لیں۔ عابر جو کچھ کہا ہے وہ مسافت اور واضح طور پر نظر آنے کے۔

اپاں کے مانیٹر کی اسکرین پر ایک ایک چین نظر آئی کہ ذاکر انتشار کے بوش اُز گئے۔

☆.....☆.....☆

اڑاہ کے جانے کے بعد رانی پکھی اٹھ کر بینچ گئی۔ اس وقت رات کے دوڑھائی بجے تھے۔ دیوار کے اس طرف سے کچھ مردوں کے تیز تیز بولنے کی آوازیں آری تھیں۔ یہ جواری تھے جب تھوں نے قبرستان کو جوئے کا ازا بنا ہوا تھا۔ یہاں روزی جو ہوتا اور روزی بھی جھڑا ہو جاتا تھا۔ کچھ دیز و دوز در سے آوازیں آتیں۔ پھر خاموشی چاہتا تھا۔ اس کے بعد کہہ بھوکنا شروع ہو جاتے۔ انسان اگر پھریوں پر لڑتے تو کہے ہوئوں پر ہجھتے۔

رانی پکھی نے اٹھ کر گھن میں بھلنا شروع کر دیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے کی بات اس کے گھنے نہیں اتر رہی تھی کہ آخریماں کیوں کر رہا تھا۔ اسے اتنا ضرور یاد رکھتا کہ چند گھن کے لئے اس پر غنوہ گئی چھائی تھی اور اسی غنوہ کی دوڑان، اس نے اس کے شہر میں داخل ہونے کی اطلاع دی تھی۔ رانی پکھی نے ایسا شوری کو کوشش کے تحت نہ کیا تھا بلکہ لا شوری طور پر اس سے یہ الفاظ کہلوائے گئے تھے۔

آخریماں کس نے کیا تھا۔ کیا بینچ نے؟

اگر بینچ نے کیا تو اس نے ایسا کیا؟ ایک اٹلاع دے کر کیا وہ بھوکنا کے چھپے کا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن ہے کہ اس کی اس حرکت کا مقصد بھوکنا اس سے برکشہ کرنا ہو۔ وہ اب دشمنی پر اتر آیا تھا۔ اسی لئے اوچھے بھنکنے سے استعمال کرنے شروع کر دیئے تھے۔

رانی پکھی چھائی تھی کہ کسی طرح تھوڑا وقت گزر جائے۔ وہ بھوکنے کے معاملے کو کسی طور انجام لے کچھ پہنچا دے۔ بس اب دو گھنہ دے گئے تھے۔ گویا پھلوں کی سویاں نئی نالا باتی تھیں۔ یہ سویاں نکل جائیں تو پھر وہ بینچ سے نہیں۔ بڑے شیطان تک رسائی کا کٹھن مرحلہ کر دے۔ یہ ایک جان لیو ایں تھا۔ اس عمل کے لئے چالیس روز در کار رہتے۔ ان چالیس روزوں میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

وہ بینچی رہی اور سوچتی رہی۔ پھر ایک خیال اس کے ذہن میں آیا۔ اس نے سوچا کہ ایک مرتبہ وہ بینچ سے بات کوں نہ کر لے، اسے سمجھائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی تاریخی ختم کر دے۔ یہ بات ذہن میں آتے ہی اس نے ملاقات کا فیصلہ کر لیا۔

اُس نے چار پانی گھیٹ کر گھن کے وسط میں کی اور پھر اسے اٹھ دی۔ وہ ”الٹی کھات“ کا جاپ کرنا چاہتی تھی۔ الٹی چار پانی کے گرد اس نے سات چکر کا نئے اور پھر وہ پانچی

کی طرف پیٹھی کر دنوں پا یہ اس کے ہاتھوں میں تھے۔ دنوں پا یہ کچڑنے کے بعد اس نے زور دو رہے جھومنا شروع کیا۔

وہ ایک خامی انداز سے جھوٹی جاتی تھی اور کچھ بولتے ہوئے دنوں ہاتھوں سے ایک پا یہ کوکڑتی اور زور دو رہا اور اس میں پکارتی۔ ”آ، بنا۔“

گیارہویں بار جب عمل ذہن رہنے کے بعد اس نے زور سے پکارا۔ ”آ، بنا۔“

تب بنا تو نہ آیا، جو چیز اس کے سامنے آئی اسے دیکھ کر رانی پکھی پر بیٹھا ہو گئی۔ وہ گھبرا کر بولی۔ ”کالی تو۔“

"ہاں۔ میں!" خون میں ذوبی آئکھیں، سیاہ رنگت، باہر لگی ہوئی سرخ زبان والی عورت نے اپنی آمد کا کردت آواز میں اقرار کیا۔

"تو کیوں آئی ہے۔ بگاہبائی ہے؟" رانی پنکھی سیدھی ہو کر پنختی ہوئی بولی۔

"مجھے مجھے نہ بھجا ہے، اس لیے آئی ہوں۔ بگاہبائی ہے مجھے نہیں معلوم۔" جواب میں بے انتہائی تھی۔

"وہ کیوں نہیں آیا؟" رانی پنکھی نے پوچھا۔

"یہ سوال پوچھنے کا تجھے حق نہیں۔ وہ تیر ان glam نہیں۔" کالی نے اپنی سرخ آنکھوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں کہ وہ کیا ہے؟" رانی پنکھی اس کی آنکھوں میں آئکھیں ذال کر بولی۔ "بیا تو کیوں آئی ہے؟"

"بگاہنے کہا ہے کہ اگر زندگی چاہتی ہے تو بھینٹ دینا ہوگی۔" آنکشاف بوا۔

"کیسی بھینٹ؟" رانی پنکھی نے پوچھا۔

"تجھے اپنا خون دینا ہوگا۔" کالی نے اپنی لمبی زبان بالائی۔

"ودا ب میرے خون کا پیاسا ہو گیا۔" رانی پنکھی کے لمبے میں دکھتا۔

"بگاہنی کی رانی بن جا۔ تیرے سارے دکھ دوڑہ دو جائیں گے۔" راستہ بتایا گیا۔

"کالی تو اپنی حد میں رو۔ مجھے تیرے مشورے کی ضرورت نہیں۔" رانی پنکھی غصے میں آگئی۔

"پنکھی۔ یاد رکھ تیری یہ اکڑا ایک دن تجھے لذودبیگی۔" سنبھہ کی گئی۔

"تو میری فکر چھوڑ۔ وہ بات کر جو بچانے کی ہے۔"

"کہا۔ تجھے خون دینا ہوگا۔" کالی نے جواب دیا۔

"میرے خون کی ایک بوند چکے کراسے نہ چڑھ گیا۔ جا اس سے کہنا کہ پنکھی اپنے خون کی آخری بوند تک بھینٹ چڑھا دے گی لیکن وہ جو چاہتا ہے، اس کے لیے راضی نہ ہو گی۔"

رانی نہ عزم لمبے میں بولی۔

"جل نحیک ہے۔ پھر بھینٹ دے۔" کالی نے مٹی کا پیالہ اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

رانی پنکھی ایک جنکے سے غصے سے انھی۔ اس نے چار پائی سیدھی کر کے دیوار کے ساتھ لکھائی اور کھن میں جا کر ایک تیز دھار کی چھری اٹھا کر باہر آگئی۔

"لا۔ پیالہ دھر کر۔" اس نے چار پائی پر بیٹھتے ہوئے اپنی بائیں کھلائی پر چھری سے کٹ لگایا۔

نس کئٹے ہی خون تیزی سے نکلنے لگا۔ کالی نے پیالہ اس کی کھلائی کے نیچے کر دیا۔

جب آدم سے زیادہ پیالہ بھر گیا تو رانی پنکھی نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ پھر اپنی کھلائی کی نس کو دباتے ہوئے بولی۔ "جادفع ہو جا۔"

کالی نے یہ سن کر بھیا کم قبقبہ لگایا اور پیالے سمیت غائب ہو گئی۔

اس کے جانے کے بعد رانی پنکھی باور چی خانے میں گئی۔ اس نے ایک چنگی را کفس پر ڈالی اور اسے اٹھوٹھے سے دبادیا۔ بہتا خون یکدم بخند ہو گیا۔ رانی پنکھی نے چند لمحوں بعد

اپنے آنکھوں خازم سے بٹالیا اور ایک مگر انسانس لے کر چار پائی پر لیٹ گئی۔ اس کے چہرے پر ایک تن مسکراہت تھی۔

0.....0.....0

ڈاکٹر امتباہ نے اسکرین پر جو دیکھا، وہ اس کے ہوش اڑادینے کے لئے کافی تھا۔ وہ پورے اٹھیمان سے عابر کی بھپن کی یادوں کو کریدہ رہا تھا۔ اسکرین پر کچھ غیر واضح اٹھکال اُبھر رہی تھیں کہ اچانک ایک لگنی نمودار ہوئی۔

دو کالے منہ کی سفیدی میں تھی۔ پہلے دا ایک ہیولے کی شکل میں دھنڈ لی نظر آئی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایک واضح ٹکل اختیار کر لی اور اتنی واضح ہو گئی کہ اس کا ایک ایک بال

صف نظر آنے لگا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ منہ کالا جسم سفید اور پنج کالے تھے۔

انھی ذاکرہ اختبار اس کے بارے میں تجزیہ ہی کر رہا تھا کہ یہ کیا ہے اور کہاں سے آئی۔ اتنے میں وہ کالے منہ کی سفید لمبی ایکشن میں آگئی۔ اس نے اسکرین سے سیدھی ذاکرہ اختبار پر جست لگائی۔ اگر وہ غیر ارادی طور پر جگ نہ گیا ہوتا تو وہ یقیناً اس کے چہرے سے نکراتی۔ ذاکرہ اختبار نے جب پٹ کر دیکھا کہ لمبی کہاں گئی تو وہ اسے پورے کمرے میں نظر نہ آئی۔ ذاکرہ اختبار کو اس طرح اچاک میکھتے دیکھ کر وہاں موجود ذاکرہوں کو بڑی حیرت ہوتی۔

”سر کیا ہوا؟“ انچارج ذاکرہ ساجد نے نگرمندی سے پوچھا۔

”کیا آپ نے وہ نہیں دیکھا جو میں نے دیکھا؟“ ذاکرہ اختبار نے الجھے ہوئے الجھے میں کہا۔

”سر..... آپ نے کیا دیکھا؟“ ذاکرہ ساجد بولا۔

”میں نے سرخ آنکھوں اور کالے منہ کی سفید لمبی دیکھی، جو اچاک اسکرین سے نکل کر الجھے پر چھلا گئی تو میں اس سے بچنے کے لیے ینچے جھکا۔“ ذاکرہ اختبار نے ساری بات تفصیل سے بتائی۔

یعنی کہ وہاں موجود سارے اشاف کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ انہیں ذاکرہ اختبار کے بیان پر خفت حیرت ہوئی۔ اس لیے کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہ آیا تھا۔ اگر واقعی ایسا ہوا ہوتا تو اس بند لیب سے وہ ملی کہاں ناائب ہو گئی۔ اذول تو اسکرین سے کسی لمبی کا جسم ہو کر نکلنای بعید از قیاس تھا۔ بالغرض اگر ایسا ہوا تو وہ ملی آخر کہاں گئی۔

ذاکرہ اختبار کا اصرار تھا کہ اس نے جو دیکھا ہے وہ جسم خود دیکھا ہے۔ دیگر اشاف پر یہاں آخر یہ کیوں کر ممکن ہے۔ لیکن کیونکہ یہ بآس کا فرمان ہے، اس لیے کیسے جھنلا یا جاتا۔ سب نے مان لیا کہ آپ جو کہتے ہیں نہیں کہتے ہیں۔

ذاکرہ اختبار کیونکہ اپ سیٹ ہو چکا تھا، اس لیے تجربے کو فوری طور پر ملتوی کر دیا گیا۔ عابر نہم غنوڈگی کے عالم میں تھا۔ دو گھنٹے آئی ہی یوں رک کر اسے اپنے کمرے میں بیٹھ دیا گیا۔

ذاکرہ اختبار نے وہاں اس مسئلے پر مزید کوئی بات نہ کی۔ وہ لیب سے نکل کر اپنے میں آفس پہنچ گیا۔ وہ ہنی طور پر پریشان تھا۔ اس نے سونی افتخار کو بلا بھیجا۔ وہ اس کی کال کی منتظری تھی۔ جیسے ہی اسے پیغام ملا، وہ سر کے مل دوزتی چلی آئی۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ ذاکرہ اختبار اپنے دونوں باتھ سے سر پکڑے بیٹھا تھا۔ سونی کے مخصوص پر فیوم کی خوبصورت پاکراں نے اپنا سراٹھا یا اور سیدھا ہو کر جیٹھے گیا۔ ”آؤ۔ سونی!“

”کیا ہوا جیجا ہی۔ خیر تو ہے؟“ سونی یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ ذاکرہ اختبار سے کس وقت کس انداز میں بات کرنی ہے۔ اور یہ اندازہ ذاکرہ اختبار کے طرز تھا۔ اس سے لمحی تھی۔ ذاکرہ اختبار کو سر پکڑے دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے آج تک اسے اس انداز میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ سیٹ پر بیٹھنے کے بجائے اس کے قریب آکھڑی ہوئی اور بولی۔ ”سر میں درد ہو رہا ہے کیا؟ دبادوں۔“

"ارے نہیں۔" ذاکر انتبار سکر اتا ہوا بولا۔ "سر میں در دنیں ہو رہا۔ میں ایک آجھمن کا شکار ہوں۔"

"جبجا جی۔ آپ اور آجھمن کا شکار۔ یہ ناقابلی یقین بات ہے۔"

"کبھی کبھی ناقابلی یقین باتیں بھی ہو جاتی ہیں۔ میرے ساتھ بھی ابھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔"

"آپ تو یہ میں سمجھے۔ کیا کوئی تجربے میں گزیدہ ہو گئی۔" سوتی نے کری سنجائتے ہوئے پوچھا۔

"عابر تو خیر ہے۔ وہ ایک دلکشی میں اپنے کرے میں سمجھنے جائے گا۔" ذاکر انتبار نے سوتی کا خدشہ در کرتے ہوئے کہا۔ "سلسلہ میرے ساتھ ہوا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ

دہان موجو داٹاٹا کا ہر شخص اس بات سے انکاری ہے۔"

"آخر ہوا کیا؟" سوتی انتخار نے نگرانہ مندی سے کہا۔

"تجربہ اپنی منزلیں طے کر رہا تھا۔ میری نظریں مانسٹر پر جمی تھیں۔ میں پوری توجہ سے اسکرین پر بھتی بھتی مکملوں کو دیکھ رہا تھا کہ اچاک ایک کالے منہ کی سفید نگہ اسکرین پر نمودار ہوئی اور اس سے پہلے کہ اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کروں، میں نے اسکرین سے سیدھی میرے اور چلا گک لگائی۔ اگر میں غیر ارادی طور پر جوک نہ جاتا تو یقیناً اس کا پنجھ میرے منہ پر پڑتا۔"

"ہائے۔ نہیں۔" سوتی در میان میں مداخلت کیے ہوئے تھے۔

"سنوا گئے کیا ہوا؟" ذاکر انتبار نے اسے مداخلت کرنے سے روکا۔ "ہوا یہ کہ اس ملی کا پہاڑ چاکر کو دکھر گئی۔ بند کرے سے اس کا نکل جاتا نہ کن تھا۔ لیکن وہ کرے میں کہیں نہیں اور جب ذاکر دل کے پوچھنے پر میں نے انہیں بتایا کہ ایک ملی نے کس طرح میرے اور چلا گک لگائی تھی، تو وہ سارے کے سارے حیرت زدہ رہ گئے۔ انہوں نے ملی کو چلا گک لگاتے دیکھا ہی نہ تھا۔ سوتی میں کیا ہتا ہوں کہ ان کے انکار پر مجھے کس تدریش مندگی ہوئی۔ میں سوچتا رہ گیا کہ آخر یہ لوگ میرے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"بس پھر۔ میں نے تجربہ ملوکی کر دیا اور لیب سے بیباں چلا آیا۔"

"یا آپ نے بہت اچھا کیا۔" سوتی نے اس کے فیضے کو سراہا۔

"میں کیا کرتا۔ ہنچی طور پر اس قابل نہیں رہا تھا کہ تجربہ جاری رکھتا۔" ذاکر انتبار بولا۔

"یہ واقعی بڑی انوکھی بات ہے۔" سوتی بولی۔

"سوٹی۔ کیا تم اس بات پر یقین رکھتی ہو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں حق کہہ رہا ہوں۔"

"میں۔ مجھے پاکیتیں ہے کہ آپ جو کہہ رہے ہیں حق کہہ رہے ہیں۔" سوتی نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ پھر اچاک اس کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔ اس کی نظریں ذاکر انتبار کے چہرے پر تھیں۔ وہ پریشان گئی انداز میں صوفے کی طرف دیکھا۔ سوتی کو صوفے پر کچھ نظر نہ آیا تو وہ انکھ کر کھڑی ہو گئی۔

صوفے پر کالے منہ کی سفید ملی موجو دھمی۔ وہ اپنی سرخ آنکھوں سے ذاکر انتبار کو گھوڑی تھی۔ سوتی کے اٹھتے ہی، وہ بھی صوفے پر کھڑی ہو گئی۔

"جبجا جی۔ صوف تو خالی ہے۔" سوتی صوفے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

اتھے میں کالے منہ کی سفید ملی اپنی دنہوں ہاگوں پر چکی اور اس نے سوتی کے اور چلا گک لگائی۔

"سوٹی پہتا۔" ذاکر انتبار نے گھبرا کر کہا۔

سوٹی پریشان ہو کر ایک طرف ہو گئی۔ اسے کچھ نظریں اس رہا تھا تو وہ پختی کس چیز سے۔ اس نے پوچھا۔ "جبجا جی۔ ہے کیا؟ کچھ بتا میں تو۔"

"سوٹی۔ ملی ہے۔ وہ ایب دالی۔ کالے منہ کی سفید ملی۔"

"لیکن مجھے تو میں کہیں نظریں آ رہی۔" سوتی بولی۔

"تمہیں نظریں آ رہی۔ وہ تو تمہارے کندھے پر تھیں ہے۔" ذاکر انتبار نے بتایا۔

"ہائے۔ میں مر جاؤں۔" وہ جلدی سے صوفے پر بیٹھ گئی اور اس نے نادیدہ ملی کا وابستہ کندھے سے دھکلیے کی تصوراتی کا دروازہ اکی کی۔

ڈاکر انتبار سفید ملی پر نظریں جماٹے ہوئے تھا۔ جیسے ہی سوتی صوفے پر بیٹھ گئی، اس نے لمبی زندگی بھری اور سیدھی ذاکر انتبار کے اور آئی۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور با تھک پھیلے ہوئے تھے۔

کالے منہ کی سفید ملی کو اپنی طرف چلا گک لگاتے دیکھ کر وہ فرازیز کی آڑ میں ہو گی۔ ملی سامنے پر دے سے نکلی اور دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئی۔

سوٹی نے ذاکر انتبار کو میرزی آڑ میں بیٹھتے دیکھا ہوا تھا۔ وہ جب انکھ کر میرز کے نزدیک آئی تو اس نے ذاکر انتبار کو میرز کے اندر گھا بیٹھا دیکھا۔

"سوٹی۔ وہ کھر گئی۔" ذاکر انتبار نے سوتی کے پورے دیکھتے ہی پوچھا۔

"جبجا جی۔ یہاں تو کوئی چیز نہیں ہے۔" سوتی نے کرے پر ایک طاڑا نہ نظر دالتے ہوئے کہا۔

ڈاکر انتبار شرمندہ شرمندہ سامیز کے نیچے نکل آیا۔ دو تین گھرے سانس لے کر اس نے میز پر کھا ہوا پانی پیا اور کری سے نیک لگا کر بیٹھ گیا اور خالی نظر دوں سے سوتی کو دیکھنے لگا۔

گا۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ یہاں اس کرے میں کوئی چیز موجود نہیں ہے۔"

"اصل پریشانی میری سیکھی ہے۔" ذاکر انتبار بولا۔ "جو میں دیکھتا ہوں، وہ کسی کو نظریں آتا۔ افسوس سوتی تھیں بھی نہیں۔"

"بائی گاڑ جبجا جی۔ میں سچھ کہہ رہی ہوں۔" سوتی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ کی کیفیت بتا رہی ہے۔ واقعی کوئی چیز ہے جو آپ کو ستاری ہے۔ آپ

ذرا دوبارہ پوری تفصیل سے ساری بات دہرا میں۔"

ڈاکر انتبار نے دوبارہ ساری بات پوری جزئیات کے ساتھ سنا دی۔ سوتی انتخار نے ساری بات سن کر کہا۔ "لیکن اس لئی کام عابر سے تو کوئی تعطیل نہیں۔"

"سوٹی ایسا ہو سکتا ہے۔ وہ ایک غیر معقولی ہو سکتا ہے۔ یہ بات مجھے تجربے کے دروان محسوس ہوئی۔ یوں بھی بالی فس وہ بہت چار منگ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس لئی کام عابر سے تو کوئی تعطیل ہے۔ اگر کوئی تعطیل ہے، مجھی تو وہ کالے منہ کی لمبی سرف بھوئی کو کہوں نظر آ رہی ہے۔ مجھے لگاتا ہے جیسے وہ مجھے انسان پہنچا ہاچاہتی ہو۔" ذاکر انتبار اس کا شکار تھا۔

"کیا اس واقعہ کا عابر کو نہیں ہے؟" سوتی نے پوچھا۔

"میرے خیال سے نہیں۔ اس وقت وہ ملائیں میں تھا۔" ذاکر انتبار نے بتایا۔

"اس وقت نا بر کہاں ہے؟" سوتی نے سوال کیا۔

"آئی یو میں ہو گا۔ نہ بھر، میں پوچھ کر بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے رسیور اخہایا اور ایک نمبر دا کر اس نے نا بر کے بارے میں معلومات کی۔ ادھر سے بتایا گیا کہ وہ وقت سے

پہلے زرنس سے نکل آئے۔ بس آدمی کھنے میں انہیں اپنے کرے میں سچھ دیا جائے گا۔

رسیور رک کر وہ سوتی سے مقاطب ہوا۔ "آدمی کھنے کے بعد وہ اپنے روم میں چلا جائے گا۔"

"اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اس سے بات کر لوں۔" سوتی نے کہا۔

"ہائے۔ کر لینا۔" ذاکر انتبار بولا۔ "اس سے پوچھنا کہ کیا اس کے بچپن میں اس طرح کی کوئی لمبی اس کے گھر میں رہی ہے؟"

"میں۔ نہیں۔ میں نے آپ کی بات سمجھی ہے۔" سوتی نے بچپن کے چھپا ہاچاہتی ہوئے تھا جو اس کا شکار تھا۔

"میں بیٹھو۔ میں چاہے مکھوتا ہوں۔" ڈاکٹر انتبار جس کو بھیں کاٹا رکھا، وہ اس حال میں تباہیں رہنا چاہتا تھا۔ سوتی سے اس کی بہت اچھی اندر اسٹینڈ مگ تھی اور اس وقت کے کمی ای رفاقت کی ضرورت تھی۔

آدمی گھنے کے بعد سوتی اس کے کمرے سے نکلی۔ عابر کے اپنے کمرے میں جانے کی اسے اطلاع مل چکی تھی۔ وہ سیدھی عابر کے پاس پہنچی۔ دستک دے کر جب وہ اندر واصل ہوئی تو اس نے اسے بڑے بہن کو انداز میں بیٹھ پہنچایا۔

"سوتی کو دیکھتے ہی وہ اپنے کرپیچے گیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑی اور بولی۔ "عاشر صاحب۔ آپ لیے رہیں۔"

"سوتی صاحب۔ خدا غواستہ میں کوئی مریض تصور نہیں ہوں۔ وہاں اب والے مجھے کچھوائی طرح فریث کر رہے تھے۔ میں ان سے جان چھڑا کر چا آیا۔" عابر نے بتتے ہوئے کہا۔

"کہیے۔ کیا ہاں کسی چیز نہیں؟" سوتی نے حسیب معمول اس کے سینہ پر رہا جان ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ بات تو ڈاکٹر انتباری تاکتے ہیں۔" عابر بولا۔ "اچھا باید۔ مجھے انہوں نے کچھیں بتایا۔"

"میری ان سے بات ہوئی تھی۔ وہ کہرہ بے تھے کہ آپ ایک غیر معمولی آدمی ہیں۔" سوتی نے عابر کی آنکھوں میں سکرا کر دیکھا۔ "دیری اسٹینڈ۔"

"سوتی صاحب۔ آج کے معاشرے میں کسی محدود روکنے کا بجا تھا۔" یہ کہرہ کرو دیتا۔

"آپ ایسے اندھیں ہیں جس نے ہمیں مخلوق کر دیا ہے۔" سوتی نے اپنی ذہانت دکھائی۔

"الٹنڈ کرے۔" عابر بولا۔

"اچھا۔ ایک بات بتائیں۔ آپ کو کبڑوں میں دیکھی ہے؟" سوتی نے گھونٹا شروع کی۔

"نہیں۔" عابر نے جواب دیا۔

"لبیوں وغیرہ سے لگائے ہے؟" سوتی نے درس اسال کیا۔

"نہیں۔ کیوں پوچھ رہی ہیں؟" عابر پریشان ہوا۔

"گھر میں بھی کسی کے کریں ٹینیں پاپی۔" سوتی نے ایک نیا سوال کیا۔

"نہیں۔ یہرے گھر میں کسی کو ایسا شوق نہیں۔" دبو لال۔

"گھر میں اکٹھ بلیاں آجائی ہیں۔ بھی آپ نے کام لے منکی خیلدی جس کی دم اور پاؤں بھی کامل ہوں، اپنے گھر میں آتی جاتی دیکھی؟"

"نہیں۔" عابر نے مکراتے ہوئے کہا۔ "سوتی صاحب۔ یا آپ نے کسی تم کی حقیقت شروع کر دی۔"

"وراہ مل بات یہ ہے کہ آپ پر جو تحریر کیا گیا ہے، اس میں ایک بھی کی شاندی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر انتبار اور اس است آپ سے اس مسئلے پر بات کریں گے۔ میں تو یونی پوچھ رہی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہیرے لاشور سے کوئی کام لے منکی خیلدی نکل آئی ہے۔" عابر نے بتتے ہوئے سوتی کو دیکھا۔

"ہاں۔ شاید۔" سوتی نے اس کی ہاتھی کی۔

"ارے! عابر بے اختیار پہنچا۔ اس کی ظفری بندور واڑے پر تھی، جہاں ایک کام لے منکی خیلدی پاکیں پھیلا رہے تھے تھی تھی۔

"خیریت۔ کیا ہوا؟" سوتی نے اس کی نظریں کے تعاقب میں دروازے کی طرف دیکھا۔ اس کا دل دعازدہ کرنے لگا۔ لیکن اسے کچھ نظر نہ آیا۔

اسے میں وہ خیلدی تھی سے اٹھی۔ وہ تی ہوئی آگے آتی۔ اس نے صوفے پر چلا گئی کوئی اور اس کی پشت پر چڑھ کر اپنی سرخ آنکھوں سے ان دونوں گوکھ کا اور دویں سے ان کی طرف چلا گئی کوئی۔

عابر فردا پہنچ گیا۔ سوتی کو یہ کھتختے دینے لگی کہ وہ تادیہ لی کرے میں واٹل بھی ہے اور اس نے عابر پر چلا گئی کوئی اس نے عابر پر بوجھ محسوس ہوا۔ وہ بے ساختہ یونچ جگ کی۔

"سوتی صاحب۔ می۔" عابر نے اس کے کندھے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہا۔ میں مرتباں۔" سوتی نے اپنے بائیں کندھے کی طرف ہاتھ بڑھا کر اسے ٹکلیں کی کوشش کیں لیں۔ اس کے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔ وہ میاں سے دکھائی دی، رسمیوں ہوئی۔

خیلدی سوتی کے کندھے سے یونچ اتری اور اپنے دوپخاں عابر کے گھنے پر کر کر مناخائے اسے دیکھنے لگی۔ چھوڑاں نے عابر کے گرد دو تین چکر کاٹا۔ چلا گئی کہ پہنچے سے اتری۔ اس کے کندھے سے یونچ اتری اس کے ساتھ اس کی نظریں بھی گھم بری تھیں۔ بالآخر اس کی نظریں دروازے پر چمگ۔

"ہاں، گئی۔ کیا وہ آپ کو نظر آ رہی؟"

"نہیں۔" سوتی نے فوراً خود کو سنبھال لی۔ "لیکن وہ آپ کو نظر آ رہی تھی۔"

"ہا۔ میں نے اسے اچھی طرح دیکھا۔ اس کا منہ، دم اور ناٹکیں کامیاب تھیں، بیچ جنم خیلدی اور آنکھیں ایک دم سرخ تھیں۔ آپ ایسی کے بارے میں مجھ سے دریافت کریں تھیں؟" عابر نے پوچھا۔

"جی۔ ایسی کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ آپ درسے آدمی ہیں ہے یعنی نظر آئی ہے۔ آپ اسے دیکھ کر خوفزدہ تو نہیں ہوئے؟" سوتی نے دریافت کیا۔

"نہیں۔ یہرے ساتھ اس کا سلوك بہت دوستہ تھا۔" عابر نے بتایا۔

"لیکن ڈاکٹر انتبار کے ساتھ اس کا سلوک بڑا جارحانہ ہے۔ یوں لیکا ہے جیسے وہ انہیں تھمان پہنچانا چاہتی ہو۔" یہ کہرہ کرو دوڑا نہیں سے اٹھنے لگی۔ "میں چلتی ہوں۔"

چورہ، تیزی سے کرے سے لکل گئی۔ بہر تیزی اس نے پھاٹا بکل کوئی نہیں کیا۔ اس نے رابطہ کیا۔ فون رسیدہ ہوتے ہی سوتی بولی۔ "آپ اس وقت کہاں ہیں؟"

"میں راستے میں ہوں۔ اسلام آباد جا رہا ہوں۔ لکل دوپہر تک داہم آ جاؤں گے۔" ڈاکٹر انتبار نے بتایا۔

"اوکے۔" سوتی خیلدی سے محتل اطلاع دیتے کے لیے بے چمن تھی۔ وہ بے تابی سے بولی۔ "جیجا تھی۔ میں نے خدا شناخت کیا کہ اس کا لے منکی بھی کام عابر سے تعلق نہ ہو۔"

"تو کیا اس کو کوئی تعلق نہیں آیا ہے؟" ڈاکٹر انتبار نے پوچھا۔

"ارے۔ جیجا تھی، میں اس کے کمرے میں تیجی ٹینی سے متعلق سوالات کر رہی تھی کہ وہ بکھت مودوار ہو گئی۔"

"کیا تم نے دیکھی؟" ڈاکٹر انتبار نے سوال کیا۔

"میں۔ تجھے تو نظر نہیں آئیں گے کہ پہنچے سے کندھے پر اس کا بوجھ ضرور محسوس کیا۔ کلموں خیلدتے سے زیادہ ورزنی ہے، لیکن عابر نے اسے بہت اچھی طرح دیکھا۔ اس نے جو حلیہ

یان کیا۔ وہ دی ہے جو آپ نے تباہی کیا۔ اس نے اپنے پوچھا۔

"مھر ہے۔ کسی اور نہیں دیکھا۔ کوئی گواہ ملا۔ ورنہ میں تو ذہنی انکھن کا بکار ہو گیا تھا۔" ڈاکٹر انتبار کے لیے خوش ہوئے۔

"جی۔" سوتی نے پوچھی۔

"نہیں۔ وہ کہرہ باقی کر کا رہ دی دوستہ تھا۔"

"اچھا نہیں ہے۔ مگر میں خیلدی ہے۔ اس نے پوچھا۔"

"آج۔ تجھے چھٹا گھر کھا کریں۔" رانی چکھی کھرے ہوئے بولے۔ "لاؤ کوٹلا۔"

اڑا دین کر تیزی سے بار پی خانے میں گئی اور دہاں سے ایک کوٹلا اٹھا کر رانی چکھی کے باہم تھا۔

رانی چکھی نے سرے سے ساتھ گھر بنا کی۔

"ماں۔ ایک بات تباہ کر کچھ پریشان ہے۔ اماں نے پوچھا۔"

"ہاں۔ انہوں تو نے نیک اندماز دیکھا۔" رانی چکھی نے لکر کھنپتے ہوئے کہا۔

"ماں ہو تو پریشان ہونے والوں میں سے نہیں ہے۔ پریشان کرنے والوں میں سے ہے۔" اماں نے صاف گوئی سے کہا۔

"میری انہوں کوئی بھی اونٹ بھاڑ کے پیچے ہوئے دیکھنے لگا۔" رانی چکھی نے پھانپھن کی کوشش کی۔

"ماں۔ تو پیاز کے پیچے سے لکل کیوں نہیں آتی۔" اماں نے جوش دلایا۔

"تجھے اپنے سے زیادہ اپنی تکرے ہے۔" رانی چکھی نے کہا۔

"اماں جو حصے زیادہ اپنی تکرے ہے۔ تجھے کچھ ہو گیا تو میں بن موت ماری جاؤں گی۔"

"تو پریشان نہ ہو۔ میں تجھے مرنے نہ دوں گی۔" رانی چکھی نے بڑے یعنی سے کہا۔ "چل آ جا۔ تجھے گھر میں بیٹھ جا۔"

اڑا دین کے پہلے گھر میں قدم رکھا۔ بڑا چھپل کرچھ کھرے کی کوشش کی۔ رانی چکھی نے اسے اچھلتے ہوئے دیکھا تھا۔ "چپن یاد رہا ہے کیا؟"

"ہاں اماں۔ یونچی کہمے۔ دیے ہوئے کوئی بھوٹے والی چیز ہے۔" اماں دیکھ کر کر زور دے پڑی۔ "چر بول۔" اماں۔ میں تو خر سے اچھی پیچی ہوں۔"

"تو کب تک پیچی کرے گی۔ تو سورہ سال کی ہوئے والی ہے۔" رانی چکھی بولی۔ "اچھا، جس اب جلدی سے تیار ہو جا۔"

اڑا دین مچھے گھر میں رانی چکھی کی طرح پچکڑا کر کھیٹھے ہو۔ "اماں میں تیار ہوں۔"

رانی چکھی نے چاندی کا بخاری تھوڑی تھیں کے ساتھ کھا کر ہوتے ہوئے پکھ پکھ کر کھا۔ "ماں۔ ہتا کیا نظر آ رہا ہے؟"

"ماں۔ کوئی لڑکی سک کے سامنے کھڑی ہوتی دھوری ہے۔ بیری طرح اس کی پشت ہے۔ میں اس کا پھر دیں دیکھ کریں، لیکن جو بھی ہے، نہ کشش جم کی ماں کے۔" اماں دیکھ دیا۔

آوار آئی۔

"اس لڑکی کا نام نہیں ہے۔ انجوں یہ تو۔ اب تو دیکھی جائے۔" رانی چکھی بولی۔

تب اماں کو کچھ کے دروازے پر ایک دبل اچھا مارڈنٹ آیا۔ دب کوئی چھپس بھین سال کا ہو گا۔ اماں دو کوئی آنکھوں میں شیشان ہاتھا ہوا کھائی دیا۔ اس خیلے ٹھنڈے نہیں تھے کہ اس کے پیچے ہوئے کہا۔

نورین دیکھنے مانچنے میں مچھتی۔ اس کے دروازے سے تھنڈی کا ہوا تھا۔ سوتی سے اس کے قدر تھا۔

جیسے ہی اس نے پیشی شیشانی کر گئی تو نورین کو ایک دب کوئی آنکھیں تھیں۔ یہ تو اس کے قدر تھیں۔ بھی نہیں تھے کہ اس کے شوہر نہ ان کے مجاہے اس کا داد دست دریجان ہو گا۔

اسے غصہ اپنے شوہر پر تھا۔ وہ اس سے ناراضی تھی اور اس کو کسی قسم کی "رمائیت" دینے کو تیار رہا۔

"ماں۔ کوئی لڑکی کی طرح پچکڑا کر کھیٹھے ہو تو نورین کوں سے ہے۔" اماں بتا کیا۔

تو وہ ترپ کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔ اس نے ریجان کو دکھا دیا۔

ریجان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے چادر میں لیکی۔ اس کی عمر اور محنت مدن جم کی ماں تھی۔ دب کا کھا کر چھپے ہو تو نورین کوں سے ہے۔

وہ اب آگ بن چکی تھی۔ اس نے گھوم کر ایک زور دا چھپڑا اس کے منہ پر مارا اور بولی۔ "شیشان کے بیچ۔ جاچا جاوندا۔ بھی تجھ کا کٹ کر چھپنک دیں گی۔" اس نے سک پر

پڑی ہوئی تیز چھری ہاتھ میں لے لی اور اس پر جملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ تیز چھر کھانے کے بعد نورین کو شیرنی کی طرح بپرا کیک کر ریحان کے حوصلے پت ہو گئے۔ اس نے بیان سے کل جانے میں ہی عافیت جانی۔

اس کے جانے کے بعد نورین نے چھری سٹک میں چھکنی اور کچن میں بینچ کر سک سک کر دنے لگی۔

نورین کی قسم تو اسی دن آنسوؤں میں بھی گئی تھی جب وہ بیا کہ اپنے سرال پہنچا تھی۔ یہ ”ونے“ نے ”کی شادی تھی۔ نورین کے بھائی کو تو ایک اچھی میلیتے کی لڑکی لیں گئی تھیں جنہیں

کے نسب میں ایک لکھنؤشو ہر آیا تھا۔

نہمان چالیس سے اور پہلا تھا جبکہ نورین کی عمر بیس بیس سال سے زیادہ تھی۔ چلوہ ادھیز عمر کے بندے کو برداشت کر لیتی، پہنچنے کے بعد کام والا ہوتا۔ نہمان کے گمراہ اون

نے جھوٹ بول کر نورین کے والدین کو پھنسایا تھا۔ نہمان کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ پاپٹی کا کام کرتا ہے۔ ایک پاپٹی ڈبلر کے ہاں وہ ان دونوں بیٹھتا بھی تھا۔ اس کے

بارے میں زیادہ چھان بننے کی گئی اور نہمان کی ماں کی چھکنی چپڑی با توں میں آکر انہی پاس نورین کو ایک ایسے فنکر کے ساتھ باندھ دیا گیا جو گھٹوٹ تھا ہی، ساتھ ہی وہ ان پڑھتا تھا۔

اس نے کسی اسکول کی ٹھیکانے کی تھی جبکہ اسے بیٹریک پاس بتایا گیا تھا۔

وہ ایک جگہ نک کر کام کرنے کا خادی نہ تھا۔ پانچ دن نوکری پر جاتا تو وہ دن گھر میں پڑا ایڈنڈا تارہتا۔ ایسے کھوٹھنک کی اصولی طور پر شادی ہونا ہی نہیں چاہیے، لیکن ماں کی مت کر کر

بکھجے جو چاندنی دہن لانے کو ہر وقت بے جنک رہتی ہے۔

نہمان کے بھائی پریشان تھے۔ وہ اکیلا ہی ان پر کیا کم بوجھ تھا کہ کھانے والوں میں اس کی بیوی نورین کا بھی اضافہ ہو گیا۔ چند ماہ تو بھائیوں نے اسے گھر بھاکر کلایا۔ جب

شادی کے بعد بھی اس نے اپنی روشن نہ بدلی تو انہوں نے اسے گھر پھوٹنے کا نسل دے دیا۔

نہمان نے یہ بات ایک کان سے سنبھال دی۔ بھلا دوہ اس گھر سے نکال دی۔ بھلا دوہ اس گھر سے نکال کر کہاں جاتا۔ تب ایک بھائی نے گھر کے قریب ہی ایک چھوٹا سا مکان اسے کرائے پر

دادا یا اور نورین کے ہمینہ کا سامان دباں ڈلوا دیا۔ اگرچہ نہمان اب بھی دوہرے گھر میں منتقل ہونے کے لیے تیار نہ تھا لیکن نورین کے لیے یہ بات انتہائی نہادست کی تھی۔ وہ اپنے

شوہر کو لے کر نہ گھر میں آگئی۔

اس نے اپنے شوہر کو سمجھایا۔ اس کی غیرت جگائی۔ تب وہ ایک گارمنٹ کے کارخانے میں جانے لگا۔ وہ سلاہی کا کام جاتا تھا۔ نورین نے ایک پرائیوریتی اسکول میں

بطور پھر ملازمت ڈھونڈی، اگرچہ تجوہ اکم تھی لیکن پکھونے ہونے سے تو بہتر تھی۔

نہمان کا ایک دوست تھا ریحان۔ وہ اس سے دس سال بڑا تھا۔ وہ اکثر گھر آ جاتا تھا۔ نہمان نے اس سے اپنی شادی کے لیے ایک موٹی رقم ادھاری ہوئی تھی۔ نہمان اس کا احسان مند تھا۔ قرض لیے ایک سال ہونے کو آیا تھا۔ قرض اتنا تو درکی بات، نہمان اس پکھر میں تھا کہ مزید قرض مل جائے۔ کھانے کے نلاوہ اب تو مکان کا کرایہ بھی سر پر پڑ گیا تھا۔

نورین کو گھر میں ریحان کی آمد پسند تھی۔ وہ آکر بینہ جاتا تو جانے کا نام نہ لیتا تھا۔ ایک کرے کا مکان چھوٹا سا گھن۔ نورین اس کی خواہش بھری آنکھوں سے خود کو کہاں سک

محفظہ رکھتی۔ وہ اس کے آتے ہیں گھن میں ”پناہ“ لیتی۔ نہمان کو گھر ادھار کو ریحان بھی گھن میں آ جاتا۔ نورین کو خفت کوخت کوخت ہوتی۔ اس بندے سے اسے چھکتی۔ وہ اپنے شوہر

سے کہتی کہ یہ تمہارا دوست ہے، اس سے باہر لا کر دے، گھر میں نہ لایا کرو۔ وہ اسے یاد دلاتا کریت۔ محوالہ ہم اس کے مقروف ہیں اور یہ قرض میں نہ جھبیں اپنے گھر لانے کے لیے

لیا تھا۔ اگر وہ گھر آ جاتا ہے تو اس میں اعتراض کی جھلا کیا ہے۔ قرض کا ذکر سن کر نورین چپ ہو جاتی۔

نورین کی چھٹی حس پکار پکار کر کبھری تھی کہ ریحان کی گھر میں بڑھتی ہوئی آمد خالی از عفت نہیں۔ ایک دن نہمان نے اس سے کہا۔ ”نورین، ریحان میرا دوست

ہے۔ اس کا خیال رکھا کرو۔ وہ ہنگامہ کر رہا تھا کہ بھائی بھسے بات نہیں کرتی۔ اس نے قرض واپس کرنے کو کہا ہے۔ اس کا تھا ضابطہ تھا جا رہا ہے۔ ہاؤ۔ میں قرض

اتارنے کے لیے رقم کہاں سے لاؤں۔ ذرا اسے ہاتھ میں رکھو۔ چائے دائے پلادیا کرو اور باں بھی وہ میری غیر موجودگی میں آجائے تو اسے بخالیتا۔ میں آس پاں ہی

کہیں گیا ہوں گا۔ آ جاؤں گا۔“

یہ خطرے کی گئی تھی جو اس کے نہیں سر پر بیٹھ رہی تھی۔ اس نے اپنے شوہر کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ”دیکھو نہمان۔ مجھے اس سے ذرگتا ہے۔ وہ جب انداز میں مجھے گھوڑتا ہے۔

ای یہی میں اس سے بھاگتی ہوں۔“

”ارے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔“ نہمان نے پہنچتے ہوئے کہا۔ ”وہ بہت شریف آدی ہے۔ تم خواہ نہاداں میں عیب نہ کالو۔“

نورین نے اندر ہی اندر اپنے سر پریٹ لیا۔ اس مکالے کے بعد شوہر سے اور کیا کہا جائے تھا۔ اس نے خود پر تابوپاٹے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ”اچھا۔ میں کوشش کر دیں گی۔“

لیکن دل میں اس نے خان لی تھی۔ وہ بہر گز اس سے راہ در کرنے پر بڑھا گئے۔

ایک دن دوپہر کے کھانے کے بعد نہمان گھر سے یک کہر کر کا۔ ”میں ذرا پاٹے کے لیے دو دلے آؤں۔ تم دروازے کی کنڈی نہ لگا۔ میں پانچ منٹ میں آیا۔“

”اچھا۔“ نورین نے کہا اور سٹک میں پڑے برلن دھونے کھڑی ہو گئی۔ برلن دھونتے ہوئے وہ اپنی اذیت ہاں کے زندگی کے بارے میں سوچنے لگی۔ نہمان کنی دن سے کام پر نہیں

جار باتھ۔ آج سچ سے کئی بار اس سے لڑائی ہو چکی تھی۔ وہ سخت غصے میں تھی۔ دوپہر کو کھانے کے لیے گھر میں پکھنے تھے۔ نہمان جانے کہاں سے کھرتم لے کر آیا تھا۔ تب گھر کا چوبیا جلا تھا۔ اس کی زندگی سک سک کر گز رہی تھی۔

وہ ابھی انہی سوچوں میں غلطیں تھی کہ ریحان کھلے دروازے سے اندر آیا اور کسی غفریت کی طرح اس نے نورین پر چھانے کی کوشش کی لیکن تھکنے کھانے اور چھری دیکھنے کے بعد

ریحان کے بھٹکے چھوٹ گئے۔ وہ بڑھاں ہو کر گھر سے نکلا۔ وہ سیدھا اس ہوں گی میں پہنچا جاں۔ نہمان میٹھا چاٹے پی رہا تھا۔ ریحان نے گھر میں جو ہی تھی، وہ شدید غصے کے عالم میں سنا ڈالی۔

نہمان کو تھوڑی بہت سزا تھی کہ مدد و رفع نہ تھی۔ اس نے قسط کر لیا کہ اس کی ”سی سا ور تی“ کو دہڑھڑہ کر رہی تھی۔

کو دہڑھڑہ کر رہی تھی۔ ایسا انتہام لے گا کہ دو زندگی بھریا در کھے گی۔

جب نہمان گھر واپس پہنچا تو نورین بینہ پر بڑی زار زار رہی تھی۔ نہمان نے روئی ہوئی نورین کو نظرت بھری نظر دوں سے دیکھا۔ اس کا بھائی چاہرہ کا تھا۔ اس کی ساری بھروسے دیکھا۔ اس کا بھائی چاہرہ کا تھا۔ اس کی ساری بھروسے دیکھا۔

نمکانی شروع کر دے اور اس کی ساری پارسائی جو تھیں جو تھیں اس نے اپنے جھاڑ دے لیکن اس نے اپنے بھائی کیا۔

بینہ پر بینہ کر اس نے پریشان کی ادا کاری کرتے ہوئے روئے کی وجہ پر چھکی۔ نورین نے جو کیا کیا۔ اسے چھری مار دینی چاہیے تھی۔

شوہر کی بات سن کر نورین کو بہت خوشی ہو گئی۔ وہ آنسو پوچھتی ہوئی اٹھ گئی اور اس نے نہمان کو قسم دی کرو۔ ریحان کو کچھ نہیں کہے گا، جو سزا اس نے دے دی وہ کافی ہے۔

اگلے دن نہمان صبح ہی صبح گھر سے چلا گیا۔ جاتے ہوئے اس نے کہا۔ ”نورین میں کام پر جارب ہوں۔ تم اندر سے دروازہ بند کر کے تالا ڈال لو۔ کوئی آئے دروازہ ہرگز مت کھوں گا۔“

نہمان کو کام پر جاتے دیکھ کر وہ نہیں ہو گئی۔ اسے یہی خوشی تھی کہ اس کے شوہر کو اس کے عحفے کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ جب گھر میں گھن گھنیتی رہی۔ اس نے اپنے گھر کو منائی کر کے چکا دیا۔

نہمان رات تک گھر لے لیا۔ وہ بازار سے اس کے لیے نہاری روٹی لایا تھا۔ ساتھ میٹھے پان بھی تھے۔ یہ دونوں چیزیں اس کی پسندیدہ تھیں۔ اس نے اپنے شوہر کو پیار بھری نظر دوں سے دیکھا اور سوچا آج رات کو دو ڈھیر دیں پیار اس پر پھر ادا کر دے گی۔ اس کی ساری بھروسے دیکھ دیں گے۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد نہمان اس سے معافیانی انتکار ہا۔ اس نے وعدہ کیا کہ آئندہ دو ڈھیر کی پر جانے گا اور اس کے سارے دکھ دے گا۔ ریحان کے بارے میں اس نے تباہی کا ٹکڑا کر دیا۔

”اس نہیں کے قریبے کا کیا ہوگا۔“ نورین نے نگرمند ہو کر کہا۔

”میں نے اپنے بڑے بھائی سے بات کی ہے۔ اگر وہ بکھر قسم ادھار دے دیں تو اور ریحان کو دے کر بقیر قسم قسطوں میں ادا کر دوں گا۔“ نہمان نے بتایا۔

”میں بھی اپنی کسی اسکول میچپرے کہنی کی بات کرتی ہوں۔ اگر بینیں جائے تو اچھا ہو۔“ نورین بولی۔

”اچھا چاٹوکر لیں۔“ نہمان تسلی آمیز لہجے میں بولا۔ ”کیا بیٹے آپ کی خدمت میں میٹھا پان پیش کر دوں۔“

”لوگی اور پوچھوچھوچھے۔“ نورین بس کر بولی۔ ”جلدی کاٹا لو، کہاں چھپا کر کے ہیں۔“

نہمان نے پیٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر نہیں کہا۔ ”یہ ہیں۔“

پڑے میں دو بڑے پان تھے۔ اس کی طرف ایک پان بڑھاتے ہوئے نہمان نے کہا۔ ”میں اپنے ہاتھ سے کھلاؤں گا۔“

نورین نے خوشی سے سرشار ہو کر کہا۔ ”بان۔ کیوں نہیں۔“

پھر نہمان نے دونوں پان ایک ایک کے سے کھلاؤئے اور اس سے بھنپنی چپڑی با تہی کرتا رہا۔ وہ اس وقت تک اس سے با تہی کرتا رہا، جب تک اس کے جسم میں شدید تکلف

نہ شروع ہو گئی۔

اندر ہی کچو دیر اسے ترپھا دیکھتی رہی۔ پھر جھینی۔ ”ماں۔ بس۔“

"کیا ہوا؟" رانی پچھلی اس کی جھنپسی کر چکی۔

"ایاں۔ وہ بڑی طرح ترپتی ہے۔ خون کی ایساں کریں ہے اور اس کا کہیں شہر اسے دیکھ کر سکتا ہے۔ اماں بند کر دے ورنہ مجھے کچھ ہو جائے گا۔" اناہوں کی بچھی میں بولی۔

"اچھا۔ بند کرتی ہوں۔ دھیرج رکھ۔ رانی پچھلی نے اپنی بند مٹھی کھوئی۔ بلدی جلدی کچھ پڑھا دیا۔ بڑی طرف پھوک ماری۔ پھوک مارتے ہی الماں مٹھنے لگی۔

رانی پچھلی نے مجھے میں چاندی کا ہماری تو یہ زیاد سوتا گھر سے نکل کر پہاڑ پر آئی۔ ابھی جگدا ہوا رہتے ہیں گاہم میں جھنگیں بھی رہی۔

"انہوں کا جا۔ کب سک وہاں پر آئی رہے گی۔" رانی پچھلی پر لینے ہوئے بولی۔

"آتی ہوں اماں۔" اناہوں کو سنتی، جوں بھال کرتی، مجھے گھر سے نکل آئی۔

اسے اٹھتا دیکھ کر رانی پچھلی نے اپنے پاؤں سکر لے۔ اناہوں پہاڑ پر آئی۔ گھر میں رکر جاتے گئے۔

"ایاں۔ وہ بڑی طرح ترپتی ہے۔ خون کی ایساں کریں گی۔" اسے کیا گی تھا؟" اناہوں کے گہرے سانس کے کریں کوئی کھلا دیا تھا۔"

"اس نے پاؤں کے ذریعے پارہ کھلا دیا تھا۔ مس نے اس کا مدد کاٹا دی۔ پارے کیا زیر اس تدریخ ہاں ہوتا ہے کہ آؤ کی صورت میں ملک۔" رانی پچھلی نے بتایا۔

"ایاں۔ میں اپنی سوتی دیکھ کر پاگل ہو جاتی ہوں۔ مجھے سئی دلیجا تاب یہ ہے۔" اناہوں کی اوارہ بولی۔

"اس سفارسی ہوت کے لیے کافی کافی ہے۔ ان چوہ گھر میں گھوم کر مجھے اچھی طرح اناہوں ہو گیا ہو کہ تو یہی ہوت رہے گی۔"

"ہاں۔ اماں، بہت اچھی طرح۔ اب ایک گھر درود گیا۔ وہ بھی کھادے۔ جانے اس میں کسی کوت لکھی ہو۔" اناہوں کو اسراہی میں بولی۔

"ساتھیں گھر میں دیکھ کر پاگل ہو جاتی ہوں۔ اگر تو نیا آگ کر دیا پڑا کر لیا تو پھر تیری نندگی پھول ہو جائے گی اور اگر نہ پارکی تو پھر جانشیر مقدر تھہرے گا۔" رانی پچھلی نے اسے آنکھیں بھالے۔

"ایاں۔ تیر اچھی پکھنیں گے۔ کبھی کبھی ہے کہ آؤ اکتر تیرے گا اور کبھی کبھی ہے کہ آگ کا دریا میرا اعتماد ہو گا۔ آخر میں تیری کس بات پر یقین کروں؟"

"دہلوں باقتوں پر۔" رانی پچھلی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "جاپ تو اپنے کرے میں جا۔"

5.....5

لکھن وہ عابر کے کرے میں بھی۔

سوئی نے ریست ہاں کی سر جیاں چھٹے ہوئے اپاڑا بدبل دیا۔ اسے مطمئن تھا کہ اس وقت ریست ہاؤں کے تھن کرے خالی ہیں۔ وہ بھی جانتی تھی کہ اماں بند کروں کا جاسوی کا خیر ناقام میطلے ہے۔ لبنا، بہتر ہی قیاد کیے کرے میں قائم کیا جائے جو رہا ہے۔

چیخان آتے ہی اس کا پیچہ گدار ہو گیا۔ اس نے بہت تیری سے دہم پارک کھلانے کا اختیام کیا۔

کرے میں پیچ کر دے پورے ہٹھیاں سے بینے پر لیٹ گئی اور کوچک ہو گئی۔ اس نے بہت تیری سے دہم پارک کھلانے کا اختیام کیا۔ پلکی توہہ بہر آئی۔ اس نے عابر کے کرے پر سینی لیڈی ہارڈ کوشہ اسارے سے اپنے پاس بلایا۔

"میں بیدم۔" وہ بڑی گارڈ بانہ اندماز میں بولی۔

"دیکھو۔ صاحب سے کہتا ہے آپ کو میدم بلا رہی ہیں۔ اس پیغام دینے کے بعد تم ذیبوں آف کر کے چل جانا۔ مجھے بیان لیڈی کا انہوں کو تھیات کرتا ہے۔" سوئی اتفار نے تکہان لیجھیں کہا۔

"لیڈی بہتر۔" لیڈی گارڈ اپنے عابر کے کرے کی طرف جل دی۔

چند لمحے دے لیڈی گارڈ کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی، پھر وہ کرے میں واٹھ ہو گئی۔

لیڈی گارڈ نے دروازے پر دیکھ دی اور چند لمحے کے بعد دروازہ مکمل کھول دیا۔

عابر پر لیڈی گارڈ پر لیڈی گارڈ کے سرخی کا چھپا کاٹے۔ اس کی سوچ میں ہو گئی۔ اس بات کے غافل تھے کہ لیڈی کو اس سے خوبی دیکھی ہے۔ دروازے پر ہونے والی دلخک نے اسے چھکایا۔ دوڑا انہم کریجے گی۔ اس کی سوچ میں نہ آئی کہ اس وقت کوئی آگ کا دریا میرا اعتماد ہو گا۔ آخر میں تیری کی وجہ سے اسی اتنی طباہ اس کی وادی کا مامکن نہ تھا۔

"لیڈی گارڈ کا اندرا آتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں سوال آیا۔ لیڈی گارڈ نے دروازہ کھول کر انہوں کو اندرا آتے دیکھ دی۔" سر۔ میں انہر اسکتی ہوں؟"

"ہاں۔ آئیے۔" عابر بول۔

بینے کے تریب آکر لیڈی گارڈ نے ایک نظر عابر کو دیکھا۔ پھر بول۔ "سر۔ آپ کو میدم بلا رہی ہیں۔"

"میڈم۔ سہماں ہیں وہ؟" عابر نے پوچھا۔

"سر۔ وہ دہم نہ فروٹیں موجود ہیں۔"

"اچھا۔" عابر کے دہم پر لیڈی گارڈ کے ساتھ میں جل دی۔

عابر نے بہر آکر لیڈی گارڈ سے پوچھا۔ "رم بُر فُر کہاں ہے؟"

"سر۔ آپ سیدھے ٹپ جائیے۔ آخری کرچا پر لیڈی گارڈ نے تباہی کیا۔"

"اوکے۔" عابر سوچنے لگا۔ آخر میں اس کے کرے میں کیوں نہیں آئی۔ وہاں چارچوں کرے میں کیا ہے۔ کیا بیان ڈاکٹر اعتماد موجود ہے۔ بوسکا ہے کہ دہلی کے محلے کوچ پر جھٹا چاہتا ہو۔ اس پر اسراہی سے سب کو خفا کر دیتا۔ جانے یا پاک کہاں سے نہ مدد اور ہمیں سے نہ مدد اور ہمیں سے نہ مدد۔ یہ سوچتا ہوا درم پر جار کے دروازے پر پہنچا۔ اس نے آہت سے دلخک دی اور پھر پنڈل پر پا تھر کر کر دہاڑا لیکن خلاف تاریخ دروازہ نکلا۔ عابر نے پھر دلخک دی۔

جوہا میں فوراً ہی دروازہ کھلا گیا۔ اندھے سوئی کی آواز آئی۔ "دوہن کے بعد پنیر دلخک دیے انہر آجائیں گے۔"

"میں اچھا۔" عابر نے کہا۔

سوئی دروازہ بند کر کے واپس ٹھی۔ پھر وہ تیزی سے داش روم میں گئی۔ ایک منٹ کے بعد وہاں سے لٹکی تو شرم دھیاں کی کوئی چیز اس کے بدن پر نہیں۔ اس نے کرے کی تمام لائس رہن کر دی اور کسی "انہر ہرے" کی طرح بینے پر لیٹ گئی اور انکھوں میں "خواہ شوں کی برأت" سمجھے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

اسے اس بات کا انہار دیتیں تھیں تھا کہ سر کے پیچھے کا لئے دہنکی سوچی کی مدد اور دلخک ہے اور دکھی کو جاتا ہے کہ دہلی پر جھٹا اور ہمیں سے دلخک دی اور پھر

عابر نے بہر آکر لیڈی گارڈ سے پوچھا۔ "رم بُر فُر کہاں ہے؟"

"اوکے۔" بارہ سوچنے لگا۔ آخر میں اس کے کرے میں کیوں نہیں آئی۔ وہاں چارچوں کرے میں کیا ہے۔ کیا بیان ڈاکٹر اعتماد موجود ہے۔ بوسکا ہے کہ دہلی کے محلے کوچ پر جھٹا چاہتا ہو۔ اس پر اسراہی سے سب کو خفا کر دیتا۔ جانے یا پاک کہاں سے نہ مدد اور ہمیں سے نہ مدد۔ یہ سوچتا ہوا درم پر جار کے دروازے پر پہنچا۔ اس نے آہت سے دلخک دی اور پھر

"جی۔ اچھا۔" عابر نے کہا۔

سوئی دروازہ بند کر کے واپس ٹھی۔ پھر وہ تیزی سے داش روم میں گئی۔ ایک منٹ کے بعد وہاں سے لٹکی تو شرم دھیاں کی کوئی چیز اس کے بدن پر نہیں۔ اس نے کرے کی تمام لائس رہن کر دی اور کسی "انہر ہرے" کی طرح بینے پر لیٹ گئی اور انکھوں میں "خواہ شوں کی برأت" سمجھے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

اسے اس بات کا انہار دیتیں تھیں تھا کہ سر کے پیچھے کا لئے دہنکی سوچی کی مدد اور دلخک ہے اور دکھی کو جاتا ہے کہ دہلی پر جھٹا اور ہمیں سے دلخک دی اور پھر

عابر نے بہر آکر لیڈی گارڈ سے پوچھا۔ "رم بُر فُر کہاں ہے؟"

"اوکے۔" بارہ سوچنے لگا۔ آخر میں اس کے کرے میں کیوں نہیں آئی۔ وہاں چارچوں کرے میں کیا ہے۔ کیا بیان ڈاکٹر اعتماد موجود ہے۔ بوسکا ہے کہ دہلی کے محلے کوچ پر جھٹا چاہتا ہو۔ اس پر اسراہی سے سب کو خفا کر دیتا۔ جانے یا پاک کہاں سے نہ مدد اور ہمیں سے نہ مدد۔ یہ سوچتا ہوا درم پر جار کے دروازے پر پہنچا۔ اس نے آہت سے دلخک دی اور پھر

"جی۔ اچھا۔" عابر نے کہا۔

سوئی اپنے کرے کی سوچی کی طرف پر ہے۔ لیڈی کا انہار دیکھنے لگی۔ اس کی سوچ میں اس وقت دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

جیسے ہی ڈاکٹر اعتماد نے مزکر دیکھا تو اس نے بہت بھرپوری سے اس کی آنکھوں پر حل کیا۔ آنکھوں کی سوچی کی طرف پر جھٹا چاہتا ہے۔

دوہنی کے بعد دلخک دیکھنے لگا۔ اس کے پیچھے کی طرف پر جھٹا چاہتا ہے۔

"ایک دلخک دیکھنے لگا۔" عابر نے کہا۔

اسے اس کے پیچھے کی طرف پر جھٹا چاہتا ہے۔ اس کی سوچ میں اس وقت دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

"میں دیکھتا ہوں۔" دیکھ رہا درم پر کہ رکھتا ہے۔

"تم بیٹھو۔" ڈاکٹر اعتماد کے سامنے سے کہا۔

اسے میں بھی ہوئی آگے آئی۔ اس سے کہا نہ دیکھنے نہیں اپنے اس سے دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

لیڈی کا انہار کے سامنے سے کہا۔ اس کی سوچ میں اس وقت دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

جیسے ہی ڈاکٹر اعتماد نے مزکر دیکھا تو اس نے بہت بھرپوری سے اس کی آنکھوں پر حل کیا۔ آنکھوں کی سوچی کی طرف پر جھٹا چاہتا ہے۔

دوہنی کے بعد دلخک دیکھنے لگا۔ اس کے پیچھے کی طرف پر جھٹا چاہتا ہے۔

"ایک دلخک دیکھنے لگا۔" عابر نے کہا۔

اسے اس کے پیچھے کی طرف پر جھٹا چاہتا ہے۔ اس کی سوچ میں اس وقت دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

اوہبی بیٹھ کر دیکھ رہا درم پر جھٹا چاہتا ہے۔

ایک رات اس نے خواب میں "بادرنیا" کو دیکھا۔ وہ سرک پر ایسے تھا کہ عقب سے اچانک آواز آئی۔ "کہاں جاتا ہے؟" عابر نے بچھے پلٹ کر دیکھا تو بابا کو فٹ پاٹھا پایا۔ وہ بابا کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس کا مجی چاہا کہ بابا کو دیکھنے کی خبر سنائے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے لب کھولتا۔ بابا نے بنتے ہوئے کہا۔ "بے توف۔ تو دینی ملازمت پر نہیں، جال میں چھنے جا رہا ہے۔"

عابر کو بڑی حیرت ہوئی کہ بابا نے اس کے ذل میں چھپی بات کیے جانی۔ وہ مودبادن لبھ میں بولا۔ "بابا۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں دینی جارہا ہوں؟"

"یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ تو اللہ کا بوجا۔ تجھ پر بھی سب آنکھاں وجائے گا۔"

"بابا۔ پھر میں چاہا جاؤں؟"

"بے توف تو نے شاہیں کر میں نے کیا کہا۔ تو بابا جال میں چھنے جا رہا ہے۔ کھائی میں گرنے جا رہا ہے۔ تجھے مجھے داموں پیچا جا رہا ہے۔"

"بابا۔ میں پھر کیا کروں؟" عابر یکدم پر بیشان ہو گیا۔

"تو کچھ نہ کر۔ بس اللہ پر بھروسا کر۔"

امگی وہ کوئی اور بات کرنا چاہتا تھا کہ اس کی آنکھ گھل مگنی۔ وہ بہت دیر تک اس خواب کے بارے میں غور کرتا رہا اگر اس کے ہاتھ کوئی سرانت آیا۔

میخ ہی سچ اے انھا دیا گیا۔ ناشتے کے بعد اس سے ایک پورٹ چلنے کو کہا گیا۔ ریٹ باؤس کے سامنے گاڑی کھڑی تھی۔ سیکورٹی افسر سندھ خان اسے اپنے ساتھ لے کر پہلی

نشست پر بیٹھ گیا۔ آنکھ ناشت پر ڈرائیور کے ساتھ ایک سیکورٹی گاڑی سو جو دھما۔ گاڑی چل پڑی۔

سندھ خان نے بتایا کہ وہ اس کے ساتھ دینی جائے گا۔ اس نے مزید تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "وہ اصل سرچا جے ہیں کہ آپ کوہاں کی قسم کی کوئی پر بیشان نہ ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ عابر صاحب ہمارے خاں آدمی ہیں۔ میں وہاں آپ کی رہائش دیگر دیکھوں گا کہ کیا اتنا قائم کیا ہے ان لوگوں نے۔ پھر جب ہم اچھی طرح مطمئن ہو جائیں گے تو میں وہاں سے واپس آ جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں وہاں کا پچکر لگ کریں۔"

"ڈاکٹر صاحب سے میری ملاقات نہ ہو گی، اس کا مجھے افسوس رہے گا۔" عابر بولا۔

"سرآن مصروف تھے۔ کچھ غیر ملکی مہمان آئے ہوئے ہیں۔ وہ میں سے ان کے ساتھ مصروف تھے۔" سندھ خان نے بتایا۔

گاڑی اب ذیلی سرک سے نکل کر میں روڈ پر آچکی تھی اور کا لے منہ کی سفید لیڈر ڈرائیور کے چہروں کے پاس خاہر ہو گئی تھی۔ اس سے قتل کو دکوئی کارروائی کرتی، سندھ خان کے موبائل ڈن کی گھمنی بھی۔

سندھ خان نے موبائل اپنے کان سے لگ کر کہا۔ "میں میزم۔"

"میری عابر صاحب سے بات کرائیں۔" دوسرا طرف سوتی افتخار تھی۔

"میں اچھا۔" کہ کر سندھ خان نے موبائل عابر کی طرف بڑھا۔ "میزم ہوتی آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔"

عابر نے موبائل فون اپنے ہاتھ میں لے کر کان سے لگایا۔ سوتی کے نام نے اسے چڑکا تھا۔ وہ اپنے لبھ پر کنٹرول کر کے خوشی سے بولا۔ "میں سوتی صاحب۔"

"میں جو بات کرنے والی ہوں، اسے میں خاموشی سے سو لیتا۔ سوال جواب مت کرنا۔"

"اوکے۔" عابر نے کسی قدر فکر مند ہو کر کہا۔

"عابر تم جتنے دن بھی یہاں رہے، میری آنکھ کا تاراں کر رہے۔ میں بہت صاف گوورٹ ہوں۔ مجھے کہنے میں کوئی پاک نہیں کہ میں تم پر فریاد ہو گئی تھی۔ تم ہوئی اتنے دکش۔" خیالیں بات کو چھوڑو۔ اب میری بات فور سے سو۔ تم دینی کسی نوکری پر نہیں جا رہے۔ جھینیں میں لاکھڑا اس کے عوض چنچ دیا گیا ہے۔ دینی میں سندھ خان جھینیں ایک غیر ملکی انجمن کے

حوالے کر کے واہیں آجائے گا۔ پھر تھاہرے ساتھ کیا ہوا گا کوئی نہیں جانتا۔ امگی وقت ہے۔ فرار ہو سکتے ہو، تو ہو جاؤ۔ دینی چنچ کے تو پھر اس جال سے لکھا لگن نہ رہے گا۔ میں نہیں

جانتی کہ اچانک کس جذبے کے تحت میں نے یہ ازکھول دیا۔ اب میرے ساتھ جو گزرے سو گزرے۔ جھینیں اللہ گھنوار کر کے۔ بائی۔ اس کے بعد فون بند ہو گیا۔

عابر نے موبائل فون کان سے ہٹا کر ایک گہرا اور سخت اسافی لیا اور موبائل سندھ خان کو دے دیا۔

"عابر صاحب۔ خیر ہے۔" سندھ خان نے رسائپ چھا۔

"میں سب خیر ہے۔ چلتے وقت میڈم سے ملاقات نہ ہو گی۔ وہ دش کر رہی تھیں۔" عابر نے بتایا۔

"اس میڈم کو میں آج کچھ نہیں بھجوں گا۔ پانچیں کیا چجز ہے یہ۔" سندھ خان نے ایک طرح سے خود کا تیکی۔ عابر، اس کے اس تہرے پر سکرائے بنازدہ ہے۔

سوٹی افتخار کے اس اکشاف پر کا سے تیس لاکھڑا اسیں بیچ دیا گیا اور دینی کسی ملازمت پر نہیں بلکہ غیر ملکی انجمنی کے جال میں چھنے جا رہا ہے، اسے فورانی "بادرنیا" یاد آئے تھے۔ انہوں نے بھی خواب میں یہی کہہ کھاتا۔ سوتی کا یہ اکشاف کی بھنگ دشی سے بالاتر تھا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ وہ اس جال سے لکھ لے کے یہ تو

امگی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کا لے منہ کی سفید لیڈی "ایکشن" میں آگئی۔ اس نے ڈرائیور کے بریک والے چہرے پر زبردست وزن ڈال دیا۔ تیز فرگر گاڑی کو اچانک بریک لگے تو

سب سے پہلے ایک موڑ سائکل والا گاڑی سے تکریا۔ اس کے بعد چھپے سے آئے والی گاڑی اس پر چڑھی۔ اس طرح کئی گاڑیاں آئیں میں بکراں۔

موڑ سائکل والے کا سرچھپے سے آئے والی گاڑی کے پیچے کے یہ چھپے کے یہ آگئی۔ وہ سوچ پر عی بناک ہو گیا۔ چلتی روڑ پر ایک ہنچ سے کھڑا ہو گیا۔

گاڑی کو بریک لگتے ہی سندھ خان اور عابر کا سرگلی نہیں کریں گے بیٹھ گرد کر دوڑ سے گا۔ اس کا سرچھت گیا۔

"کیا ہوا؟" سندھ خان سختی سے ہوئے چھا۔

"سر۔ کچھ نہیں معلوم کیا ہوا؟" ڈرائیور گھبرا کر بولا۔

"بریک میں نے لگایا تھا۔" سندھ خان نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"سر جی۔ مجھے نہیں معلوم بریک کیسے لگا۔" ڈرائیور حیران پر بیشان تھا۔

"کہوں کر تے ہو۔" سندھ خان کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

اتھے میں لوگوں نے گاڑی کو گھیر لیا۔ یہ چاروں گاڑی سے اتر آئے۔ عابر نے عقل مندی کی کہ برابر کم سفری بیک کو کندھ سے پڑاں کر باہر لگا۔ اس بیک میں سفری

و ستادیزات کے ٹلاو ڈنڈ کپڑے اور کچھ قمی میں جو گھوڑی تھی۔

سندھ خان گاڑی سے اتر کر جب بچھے آیا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ موڑ سائکل والے دو جوان کا سرپتے کے نیچے تھا اور وہاں خون ہی خون تھا۔ لوگوں نے ڈرائیور کو کچڑ کردا رہا

شروع کر دیا تھا۔ گاڑی کی پیٹھانی زخمی تھی، اسے اپنا ہوٹھ نہ تھا۔ سب غافل تھے۔

بس یہی موقع تھا کہ عابر یہاں سے با آسانی فرار ہو سکا تھا۔

وہ بہت تیزی سے چھا چھا تباہ رہا۔ اس نے آنکھاں سرک کر کا کہا۔

ڈرائیور نے پوچھا۔ "کہاں جاتا ہے؟"

عابر کے مذہ سے بے احتیار لگا۔ "واتا در بار۔"

"آؤ۔ بینچ جاؤ۔" رکشا ڈرائیور نے خوشی سے کہا۔ "کراچی سے آئے ہو؟"

"ہاں جی۔" عابر نے رکشا میں بینچے ہوئے کہا۔

"میں نے تین سال کراچی میں رکشا ڈالا ہے۔ میں لیکر میں رہتا تھا۔" رکشا ڈرائیور نے رکشا اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی ذرا جلدی چلو۔" عابر پر بیشان ہو کر بولا۔

"بادشاہ۔ جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے۔" رکشا والے نے سکراتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی رکشا کی اسپیڈ بڑھا دی۔ "چلو خیر ہے۔"

عابر نے شکر ادا کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس سے پہلے کہ سندھ خان کو اس کے گم ہونے کا احساس ہو، وہ اس کی ریٹنے سے نکل جائے۔

عابر جب اس جگہ سے دکلو میز دوڑکل آیا تو اس نے سکون کا سافی لیا۔ رکشا والا با توں معلوم بتاتا تھا۔ کراچی والے کو دیکھ کر اس کی زبان کا ٹالا لکھا

نذری بات تھی۔

رکشا ادارا سے بھرا سے کراچی کے بارے میں اپنے ٹاثرات بیان کرتا رہا۔ ان بے لائگ تھروں میں ایک تھرہ یہ بھی تھا۔ "باؤ۔ برانہ ماننا۔ دیے کراچی والے ہوئے ہوئے چھوٹے ہیں۔"

"کیوں۔ ان میں سرچن کم ہوتی ہیں؟" عابر تغیری بیٹھا۔

"مرچن کم نہیں۔ بہت زیادہ ہوتی ہیں۔" رکشا والے نے بنتے ہوئے کہا۔

داتا در بار پر اثر کر جب عابر نے اس سے کراچی پوچھا تو وہ بڑی محبت سے بولا۔ "او، بھی جاؤ۔ تیسی ساڑھے ہمہاں ہو۔ کیا کرایہ؟"

"ارے نہیں یار۔" عابر نے بھٹکل اسے کراچی لینے پر بھجو کیا اور پھر وہ بیک کندھ سے پرانا کر دربار کی طرف چل دیا۔

اسے یقین نہیں اترتا تھا کہ وہ اتنی آسمانی سے جال میں چھنے سے رہ گیتا۔ اسے بار بار سوتی یا دینی تھی۔ یہ اس کا برواء حاضر تھا کہ اس نے اگشیدہ ہونے سے بچا دیا تھا۔ وہ

جسی بھی تھی، اس نے اپنے تیس جوں کھیل کھیل جا پائی، اس کی اس نے سزا پائی۔ غمے کے باوجود سوتی نے اسے خبردار کر دیا۔ یہ اس کا ایسا حاضر تھا جسے عابر زندگی بھر جنہیں بھول کرنا

تھا۔ عابر نے اس کی نیکی معااف کر دی تھی اور اب اس کا رواں رواں اس کے لیے دعا کو تھا۔ یہ انسان بھی عجب جیز ہے، اسے بنتے دیکھتی ہے نہ بگرتے۔

عابر کو پھر "بادیا" یاد آئے۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ ان کا اصل نام کیا تھا۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا مگر نہ تھا۔ "بادیا" نام بارے اپنی سیوفت کے لیے رکھا تھا۔ وہ جب بھی ملتے تھے، عابر کو نہیں دیتے تھے۔ "بادیا" تھے ذہندرہی ہے۔ "اس حوالے سے وہ انہیں بادیا کہنے کہتے تھا۔ بادیا کون تھے۔ وہ ان کے بارے میں متینیں جانتا تھا، لیکن ان کی وجہ سے اسے فائدہ پہنچاتا۔ ملکہ کو جب وہ طلاق دے کر کھلا تھا تو اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں جائے گا۔ جب بادیا نے اسے ماں کی شدید تیاری کی اطلاع دے کر اسے گھر جانے کی تیمنی کی تھی اور اب بھی یہ بادیا تھے جنہوں نے خوب میں آ کر اسے دی جانے کی حقیقت آشنا کی تھی اور اس نے پر بھروسہ کی تیمنی کی تھی۔ شاید اس نے پر بھروسہ کی تھا کہ سونی جسی جسیں "تمدن" نے اسے کھائی میں گرنے سے بچا لیا تھا۔

ابھی وہ "بادیا" کے بارے میں سوچتا ہوا مزار کی سری صیاں چڑھ رہا تھا کہ پچھے سے کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

جب اس نے پلٹ کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔

0.....0.....0

وہ متفاہ باتیں کر کے رانی پکھی نے انہوں کو الجھادیا تھا۔ جب بھی اسے کسی بات پر پختہ تیمنی ہونے لگتا اور وہ بار بار اس کے متعلق معلومات کرنے لگتی تو رانی پکھی پیشرا بدل لگتی۔ کسی اور پڑی پر جوں پڑتی۔ اب ساتوں گھر، گیتھا اور رانی پکھی چاہتی تھی کہ گھر دکھانے کا مام جلد از جلد نہ جائے۔ اس کی اس بات سے انہوں کو امید بندھی تھی کہ وہ عقیریب منزل پالے گی۔

ساتوں گھر دیکھنے کے بعد کیا ہوگا، وہ نہیں جانتی تھی۔ لیکن اسے اخافرو ریتیں تھا کہ اس کی ذہنی کشی کو کنارہ دل جائے گا۔

رات گھری ہوئی تو انہوں کرے سے نکل آئی۔ اس نے رانی پکھی کو من میں بھٹکنے دوئے پا۔ وہ دیوار کے سامنے میں پڑی چار پائی پر بینہ گی اور اس کی طرف دیکھتی ہوئی بوی۔

"اماں تو پریشان ہے؟"

"نہیں رہی۔ پریشان کیسی؟" رانی پکھی نے بھٹکنے بھٹکنے رک کر کہا اور پھر انہوں کے ساتھ بینہ گئی۔ اس نے انہوں کا چہرہ اپنی طرف کیا اور اسے بخورد دیکھنے گئی۔

"اماں تو مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہے۔ مجھے ذریگہ ہا ہے۔ کیا کچھ ہونے والا ہے؟" انہوں کو پریشان ہو کر بوی۔

"وہ کیسی انجو۔ یہ جو دنیا ہے بیباں ہر وقت کچون کچھ ہوتا رہتا ہے۔ کوئی چیز اپنی جگہ رکی ہوئی نہیں ہے۔ ہر شے حرکت میں ہے۔ کل میں ایک دن کی تھی، آج میں اسی سے کچھ ماہ اور پر کی ہوئی ہوں۔ کچھی وقت رہتا ہے کہ تو سولہ سال کی ہو جائے گی۔ انجو۔ لڑکی پر یہ سلبوہ اس سال بڑی قیامت ہے جاتا ہے۔ اندری اندرا یہ طوفان انہا ہاتا ہے کہ لڑکی لرزک رہ جاتی ہے۔ وہ خود کو چھپا پاتی ہے، نہ بچا پاتی ہے۔ میں تجھے دیکھتی ہوں تو مجھے اپنا قیامت خیز زمانہ یاد آ جاتا ہے۔

انہوں میں اس وقت کو لگتے میں تھی۔ میری انہا کا شیخ تھا۔ میں نے اپنے باپ کو کہنی نہیں دیکھا۔ میری ماں ارادھنا اس بازار کی ایک تیتی گورت تھی۔ وہ درور سے لوگ میری ماں کا گناہ سننے آتے تھے۔ رات کو غفلت بھی۔ ہر طرح کے لوگ اس غفلت میں ہوتے، لیکن کیا مجال کو محفل میں ڈڑھ بھر بھی بد مرگی ہوئی۔ ہم اسے دلوں کو پہلے ہی ہتادیا جاتا کہ جسے گناہ سننے کا واقعی ذوق ہے، وہ بیباں بیٹھنے ورنہ شوق پورا کرنے کا نئے بنتیرے۔

میری ماں ارادھنا کو پانچ نہیں آتا تھا لیکن اس کے ایک اشارے پر اجھے سے اچھا مرد ہا پنچے لگتا تھا۔ میری ماں رہتی تو بالا خانے پر تھی لیکن اس کا دماغ آسان پر بہتا۔ وہ "بالا خانہ" کی لگتی تھی تھی۔

تب اس کی زندگی میں ایک بھروسہ ساز آیا۔ اس عجترائش کا نام تھا اسارت رائے۔ وہ بذات خود کسی بھی سے کم نہ تھا۔ میری ماں اس پر مرتضی۔ اس کے پرہم میں اسی دیوانی ہوئی کہ اپنی صدھ بده جھوپی، لے، سر، تال۔ اسے کچھ یاد نہ رہا۔ یاد رہ گی تو اسارت رائے۔ وہ عجترائش ایک آرٹ اسکول میں نہ پڑھتا۔ اس کی میری ماں کے جسم پر نظریں تھیں۔ اس کی نظریں میں میری ماں شاہکار جسم کی ماں تھی۔ وہ اس کا بھوسہ بناتا چاہتا تھا جبکہ میری ماں کی نظریں اس کی روچ پر تھیں۔ وہ اس کا دل جیتنا چاہتی تھی۔

اسرت رائے نے میری ماں کو اپنا بھوسہ بنانے کے لیے رامنی کر لیا۔ اس بازار کی گورت بالا خانے سے اُتر کر اس کے آرٹ اسکول میں آگئی۔ اس دن اسٹوڈیو میں ان دونوں کے سوا کوئی اور نہ تھا بلکہ اس وقت پرے اسکول میں کوئی موجود نہ تھا۔

اسرت رائے نے کام کی ابتداء کی۔ بھوسہ بناتے بناتے میں ہو گئی۔ میری ماں ایک ہی انداز میں بیٹھے بیٹھنے تھک کر چور ہو گئی۔ وہ کرہ کا نے کی خاطر اسٹوڈیو میں پڑی ایک بڑی ہی میز پر لیٹ گئی۔ اسرت رائے بھی تھک چکا تھا۔ وہ بھی اس میز پر چڑھ رہی ہے۔

میری ماں ارادھنا آنکھوں میں خواب جائے آنکھیں مندے لیتی تھی کہ اسارت رائے جو میری ماں کو شاہکار بھوسہ کہتا تھا، اس نے اس بھیے پاہی کا لکھ پتھردی کہ میری ماں کا دل کرپی کرپی ہو گیا اس نے اسارت رائے کے پکھنے کہا۔ اس نوٹے دل کے ساتھ اپنے نہ کھانے پر آگئی۔ وہ اس بازار کی تھیں اس کا دل "باناری" نہ تھا۔ اس نے گناہ چھوڑ دیا اسارت رائے جب اس سے مٹے آیا تو اس نے مٹے سے اٹکا کر دیا۔ سب سمجھا سمجھا کہ تھک گئے لیکن اس نے کسی کی نہ سنبھل۔ اگر میں اس کی کوئی نہ ہوئی تو ممکن تھا کہ وہ خود کشی کر لے۔ بس وہ اس وقت تک زندہ رہی، جب تک میں نے جنم نہ لے لیا۔ نہ جو جان لے کر میں کیے باپ اور کہی ماں کی تھی ہوں۔" رانی پکھی نے گھر اسنان لیا۔

"ہاں اماں۔ جان لیا۔ اب اپنی سن۔" انہوں نے اس کی آپ نہیں میں کھو گئی۔ پھر اسے یاد آیا کہ اماں نے آج کی رات ساتوں گھر دکھانا تھا۔ اس نے فرائپ چھا۔" اماں۔ وہ ساتوں گھر؟"

"بے دوف ساتوں گھر شروع ہو چکا۔" رانی پکھی نے اکٹھا کیا۔ "تو دیکھتی نہیں تھی کہ میں ساتوں گھر میں خود پڑھتی تھی۔"

"ہاں اماں۔ دیکھتی تھی۔ پھر اس میرا ساتوں گھر کیا؟"

"تیرا ساتوں گھر میرے ساتھ ہے۔ جہاں تو پہنچی ہے، یہ تیرا ساتوں گھر ہے اور میرا بھی۔ تو مجھے سے اکٹھا کیا کر رہی تھی۔ اماں تو کون ہے؟ تو میری انہوں نے سنبھل کر بیٹھ جا۔ ویسے ہی جیسے تو اب تک چوں گروں میں پہنچی ہے۔ آج یہ چار پائی ہی تیرا ساتوں گھر بننے گی۔ پہلے بھٹک جان لے، پھر میں تجھے تیرے آخری گھر کے بارے میں تھاں گی۔ کیا ٹوٹا تیرا ہے؟"

"ہاں۔ اماں، میں تیار ہوں۔" یہ کہہ کر وہ چار پائی پر پھنسکر اماں کو ریٹھنے اور آنکھیں مند لیں۔

رانی پکھی بھی اس کے سامنے اسی انداز میں بر جان ہو گئی۔ پھر اس نے اپنے گئے سے چاندی کا بھاری تھوڑی آہادی اور دیکھنی میں لے کر زریب پکھ پڑھا دار اسدار پر پھوک کر اسی دوڑھوں کی دیکھ دیا۔

میری ماں کی وہاں ایک من بوی۔ بہن تھی۔ اس کا مام تھا نہیں۔ سب اسے بندھ دے کر مار دے کر مار دے۔ وہ میری ماں کی راہدار اور مراج شناس تھی۔ میری پر درش اسی نے کی۔ میں ایک انجائی مددی لڑکی تھی۔ جو بات کرنے کی خانہ لیتی، وہ کر کے چھوڑ دیتی تھی۔ چاہے بھٹکوئی کاٹ کر یہیں نہ پھیک دے۔ موی بندھ نہیں میں "ماں ہی" کہتی تھی۔ میرا بڑھ کر خیال رکھتی تھی۔

تجھے وہاں کے ماحول سے کوئی دیکھنی تھی۔ مجھے پڑھنے کا شوق تھا۔ میری ہٹ پر ماں جی نے مجھے اسکول میں داخل کر دیا۔ میں نے بیڑک بہت اچھے نہیں سے پاس کیا۔

میں کافی جس دا ظلیل یا پاہی تھی، جب ماں جی نے میرے آگے ہاتھ جوڑ لی۔ دراصل بیڑک کرنے کی ابازت ماں جی نے اس گھر کی نایک سرالہ دیوی سے کر لے کر لی تھی۔ سرلا نے کہہ دیا تھا کہ اگر آگے پڑھنے کی بات کی تو دونوں کو ہر دے کر مار دوں گی۔ اسی خوف کے پیش نظر ماں جی میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "سبجوں کے لیے کافی، اب تو پڑھانی کو بھول جا۔ میں نے سرلا دیوی سے مدد کر کے تجھے بیڑک کرنے کی ابازت دلواہی۔ اب تو گھر میں بینہ۔ اس گھر کے رہت رواج سکے۔ اپنی ماں کی طرح ہم نہیں لکھتی تو قصہ سکے۔"

"ماں ہی۔ وہ دوڑھوں کو ہر دینے کی بات کرتی ہے۔ وہ بیسی کیا زبردے گی، اس سے پہلے ہی میں اسے مار دوں گی۔" میں نے بہرہ تیمنی لجھ میں کہا۔

میری یہ بات سن کر ماں جی ڈال گئی۔ وہ میری بیٹھلی طبیعت سے اچھی طرح دافت تھی، جو سوچ لیتی تھی، وہ کر کے چھوڑتی تھی۔

"تجھے اپنی میری ماں کی قسم ایسا تو کچھ نہیں کرے گی۔" ماں جی نے گھنے گھنے ہوئے کہا۔ وہ مجھے گلے گلے کر بہت دیکھ رہی تھی۔

"اچھا ماں جی۔ تم پریشان ہو۔ میں سوچتی ہوں۔ اپنی کائن جی میں داشٹے میں دو میں بیانی ہیں۔" میں نے ماں جی کو کلی دی۔

لیکن پھر میری کائن جی میں داشٹے کی نہیں۔ میری زندگی کا آخر ہی بدل گی۔ نایک سرالہ دیوی نے میرا بڑھا دار اسکے لیے کہہ دیا۔ اس نے ماں جی کو کچھ نہ بیٹھا۔ وہ جس دنیا کی اسی تھی۔

میرے حسن کے چھپے پورے علاقوں میں تھے۔ کئی عیش پرست میری بولیاں لگارہے تھے۔ لیکن میری طرف سے سُنل کی دیتی تھی، لیکن میں نے ماں جی سے کہہ دیا تھا کہ اگر ایسا بہا بوا تو میں جان دے دے۔ اب تو گھر میں بینہ۔ اس گھر کے رہت رواج سکے۔ اپنی ماں کی طرح ہم نہیں لکھتی تو قصہ سکے۔ اور یہ سب اچاک ہوا تھا۔

میں میری پر بینہ رہو رہی تھی۔ مجھے شدت سے اپنی اصل ماں یا اورتی تھی جسے میں نے دیکھا تھا لیکن ماں جی نے میری ماں ارادھنا کے بارے میں اتنی تفصیل سے بتایا تھا کہ

وہ میرے سامنے ہم ہو گئی تھیں۔ آج وہ زندہ ہوئی تو مجھے یوں اکیلے ہوئے۔

تب عی کی نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور ایک بار یہی کی آواز آئی۔ "روتی کیوں ہے؟"

میں بینہ ہوں اور تم بارے دل میں ہوں۔"

میری سمجھنی کچھ نہ آیا کہ یہ کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے، لیکن جب میں نے عی کے نیچے ہاتھ ڈالا تو میرے ہاتھ میں ایک بڑا آگی۔ یا ایک کٹکے دار چاٹھ تھا۔ کٹکا دبائے تھا۔

چوچی کا چھڈا رچل باہر آگی۔ چاٹو کو دیکھ کر کھا دیا۔ میری کچھ نہیں بینہ کیا۔

ای وہ دندرہ اسے پڑا۔ بہت بہی۔ یوں کافی ہے بندلا کو گلہ بارہا ہے۔ چند جوں بعد ایک سیاہ رو، موٹی تو نہ دالا سیٹھ اندر دھل ہوا۔

اتی دری میں، میں ہاتھ میں کھلا چاٹو لیے اس کے استقبال کے لیے تیار ہو چکی تھی۔

وہ مولیٰ تو نہ والا سینا پاپی آنکھوں میں جانے کئے خواب بجائے اندر آیا تھا۔ جب اس نے اپنے نشآور خوابوں کی تجربہ خبر بدست دشیزہ کی خل میں سکھی تو یکدم اس کی آنکھوں میں اندر جراحتگر گیا۔

”تباہا۔ مجھ پر حملہ مت کرنا۔ میں واپس چاہا جاتا ہوں۔“ اس نے لرزتی آواز میں کہا اور فوراً ہی واپس ہرگز گیا۔

میں اس کی بزوی پر مسکراتے بنا نہ ہی۔ اس نے دروازہ کھونے کی کوشش کی لیکن دروازہ نہ کھلا۔ وہ باہر سے مقتل ہو چکا تھا۔ اس کی پیٹھ کی یک ریڑے اندر جنون سا اٹھا۔ میرا جی چاہا کہ اس پرست کی پسلیوں میں پاؤ بھوک دوں اور اس وقت تک چاہو کے دار کرنی رہوں جب تک یہ مر نہ جائے۔ میں اس ارادے سے آگے بڑھی۔

”سر لا بائی دروازہ کھواو۔ سر لا بائی دروازہ کھواو۔“ وہ مسلسل دروازہ ہیٹھ رہا تھا۔

چند جوں بعد دروازہ کھلا اور نائیک سر لا دیوی بوكلا آئی اندر داخل ہوئی اور بولی۔ ”سینہ راجند کیا ہوا؟“

سینہ نے کوئی جواب دینے کے بجائے میری طرف اشارہ کیا اور بغیر کھو چکھو۔ جہاں پر دار کرنے سے بکل گیا۔ میں جو اس پر دار کرنے لیے آگے بڑھ رہی تھی، رک گئی۔ اب میری نظریں اس اوزی پر تھیں، جو اس فساد کی جزئی تھی، جس نے میرا سودا کیا تھا۔

میرے ہاتھ میں چکلتا چاہو دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھیک کی۔ اس نے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ میرے ہاتھ میں پاؤ کہاں سے آیا۔ پھر اسے اپنی اہانت کا احساس ہوا۔ اس دو دن کی چھوکری نے اسے سینہ کے سامنے بے عزت کر دیا تھا۔ وہ کسی بھوکی شیرنی کی طرح مجھے کھانے دوڑی۔ میں پہلے سے ہی جنوں بوری تھی، جب اس کے منہ سے ٹیش میں لکا۔ ”کنجھی تیری یہ بول۔“ تو میں اپنے حواسوں میں نہ رہی۔ اس وقت جانے میرے اندر کہاں سے اتنی طاقت آگئی کہ میں نے اس پر چاہو کے دار کر کے جھوں میں اس موٹی تازی عورت کو لپیٹاں کر کے رکھ دیا۔

وہ اپستال ہنپتے ہنپتے چل بی۔ میں گرفتار ہوئی۔ متدہ چا۔ مجھے عمر قید ہو گئی۔ میری زندگی کا دھار ابدل گیا۔ میں انسان سے شیطان ہو گئی۔ بُکا جو میری ذُعری سے میرے اندر چھا بیخا تھا، باہر آگیا۔ اس نے مجھے آگ بھرے راستوں پر ڈال دیا۔ پھر بیکا آگ میرے لیے پھول ہو گئی۔

کالا جادو، جنتر نظر، سفی عمل، شمشان گھاث، کھوپڑیاں، قبرستان، جنگل ویرانے۔ میری زندگی ہن گئے۔ جمل میں ایک قیدی عورت تھی شو بھنا، وہ اپنی سوکن کو ادا کر جل آئی تھی۔ وہ کوئی عملیات کی باہر تھی۔ وہ مجھ پر فریغتہ ہو گئی تھی۔ اس سے میں نے کئی عملیں لیکھے۔ ”کاشی میں جھیں ہتاوں جب کوئی عورت عامل کے پاس جاتی ہے تو وہ اس سے کہتا ہے کہ تم پر بڑھ رہو۔“ اس کے ذریعے اس کرایا جا چکا ہے اور ثبوت کے طور پر وہ اس کے لئے توبینڈ گذے یا الماری سے سوئیوں لگ پھانا کال دیتا ہے تو ایسا کسی جادو کے زیر اہتمام ہیں: ہوتا بلکہ وہ عامل اپنے عمل کے ذریعے اس طرح کی خیز دن کاں کے گھر کی خینہ جھوں سے نکال کر اسے اپنا بے دام غلام ہٹاتا ہے۔ اسی طرح حورت میں اپنا گھر اور مرد انہا سر ما یہ گناہ میٹھتے ہیں۔“

خبر جب میں جمل سے رہا ہوئی تو میں تیس سال کی تھی۔ اسنت جیلنے جب مجھے آزادی کی خبر سنائی تو میں سوچ میں پڑ گئی کہ کہاں جاؤں۔ واپس میں منڈی جاہنمیں چاہتی تھی۔ میرا دل وہاں سے سدا سے بیزار تھا کہ ماں ہی وہاں ضرور تھیں جس سے مجھے شدید رک ڈھاتا۔ لیکن نیک پا تھا کہ وہ زندہ ہی چیزیں یا شمشان گھاث ہنپتے ہیں۔

”ای او جیز بن میں تھی کہ اسنت جیلنے پال نے عجیب بات کی۔ وہ مسکراتا ہوا بولا۔“ تیرا کوئی محکمان نہیں ہے تو میرے گھر چل۔“

”کتنے دن کے لیے؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے باکی سے پوچھا۔

”جب تک تو رہتا چاہے۔“ وہ بولا۔

”مجھ سے شادی کرو گے؟“ میں نے اسے حیرت میں ڈالنے والا سوال کیا۔

”نبیں بھول کر بھی نہیں۔ میری بیوی ہر دن کر سیکھنے ہی ہے۔ مجھے کھانے پینے کی تھی ہے۔ تو گھر سنبھال لے۔“ رام پال نے صاف گوئی سے اپنے دل کی بات کی۔

”دیکھو۔ جیلنے میں تھا۔ مجھے تھہارے گھر بنا منکور ہے لیکن یہ بات یاد رکھنا کرم نے صرف گھر سنبھالنے کی بات کی ہے۔ آگے پہنچے کچھ نہیں۔“ میں نے اسے سنبھال کی۔

”ٹھیک ہے۔“ رام پال خوش ہوا بولا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس نے میری بات کبھی یابیں اور اگر کبھی تو مجھے صرف قیدی عورت سمجھا اور خود کو جیلنے جا گا۔

خبر میں نے اس کا گھر سنبھال لیا۔ اس کا پورا خیال رکھا۔ کپڑوں کی اسٹری سے بھوجن پر دنے لگے۔ کپڑوں وہ میرے ساتھ بالکل نہیک رہا۔ انسان کا بندہ بنا رہا۔ ایک دن مجھ بہ وہ ذیعنی پر جانے کی تیاری کر رہا تھا اور میں اس کے کپڑے اسٹری کر رہی تھی تو اس نے مجھے اپنی اسٹری کھو کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ ایک مفہوم جسم کا قدر آؤ دھنھنے تھا۔ وہ اپنی مرضی کر سکتا تھا۔ لیکن میں مدد اکی ضدی اور بیٹھی ہوں، اپنی مرضی کی بالکل۔ میں نے کبھی کسی ہاپسندیدہ مرد کو اپنا ہاتھ پکڑنے کی ابازت نہیں دی۔ اسی لیے میں اس کے گھر میں معاملہ کر کے آئی تھی۔ آج وہ گھر کو سنبھالنے کے بجائے خود کو سنبھالنے کا آرزو مند تھا۔ میں نے اسے اپنا عبد یاد دلایا۔ اس نے میری بات کی آنکھی کر دی اور سن مانی پڑا تھا۔ مجھ پر جوں سوار ہو گیا۔ میں نے اس کے ہاتھ پر بڑی اسٹری رکھ دی۔ اسے شاید مجھ سے اس طرح کے عمل کی توقع نہ تھی۔ وہ غصے سے پیچھے بٹا اور الماری سے رویا الوار کا لکل کر مجھ پر جان لیا اور شدید غصے میں بولا۔ ”وہ کئے کی عورت، تو نے خود کو سمجھا کیا ہے۔ میں تجھے قتل کر کے نالے میں پھکوادوں گا۔“

”مجھے یقین تھا کہ وہ جو کبہ رہا ہے، مجھ کبہ رہا ہے۔ مجھے مار کر نالے میں پھکوا ہا۔ اس کے لیے قلعہ مشکل کام نہ تھا۔ میں مشکل میں تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟“ میں بُکا کا یہ احسان زندگی بھول کیتی کہ وہ اچاک ایک ہمیٹھیم کا لے کتے کے روپ میں نہ دار ہوا۔ اس نے اس پر اس طرح چلا گئی لگائی کہ رویا الوار کل جا ڈالیا۔ وہ اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا۔ وہ اس اچاک افتاد کے لیے تیار نہ تھا۔ لڑکھڑا کر پیچھے گرا۔

بس اتنا موقع میرے لیے کافی تھا۔ میں نے رویا الوار اخرا کر اس پر کنی گولیاں چاہیں اور دروازہ کھول کر اس کے گھر سے بھاگنے لگی۔ میں کب تک بھاگتی رہی۔ در بدری میرا اقتدار ہوئی۔ اسنت جیلنے پال کے شہر میں رہتا ہا۔ ممکن تھا۔ مجھے میری مدد کے لیے بر جو کوچھ دیا۔ وہ کوکھہ کالی دیوی کو بھیت پڑھانے آیا تھا۔ میں چند دن اس کے ساتھ کالی دیوی کے مندر میں رہی۔ وہاں کے کئی پچاری، مجھ جسی سرکش جوانی کو دیکھ کر اپنی پوچھا پاٹ بھول گئے۔ بر جو نے مجھے سمجھا ہے۔ کچھ حاصل کرنے کے لیے مندر کی داہی بنا ناضر رہی تھا۔ پہلے بر جو نے مجھے اپنی داہی بنا لیا۔ اس کے بعد مندر کے کئی بڑے پچاریوں نے میرے جسم کی بھیت مانگی۔ اسکے بعد رہا کہ اسرا رکھ جو کہتے ہیں کرتی جاؤ۔ بر جو نے بہاں تیر دن رہ کر بہاری چلے جاتا تھا۔ میں واپس اب جیلن جاتا ہے چاہتی تھی۔ میں پولیس کے ہتھے چڑھ جاتی تو وہ جانے میرا کیا حشر کر دیتی۔ میں نے یہی بھیت جاتا کہ بر جو کے ساتھ ہزار نکل جاؤں۔ بر جو بڑا گیانی جو گی تھا۔ شیطان کا چیلا۔ بُکا کی اس پر خاص نظر تھی۔ اس سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ اس نے بھی مجھے کالا علم سکھانے میں کسی بخل سے کام نہ لیا۔ میں بر جو کے ساتھ کئی سال بہاری رہی۔ پھر وہ مجھے ال آباد میں ایک جیمنی سار ہو کے جو اے کر گیا۔

اہ ساڑھو کا نام تو حرم داس تھا لیکن اس کا حرم سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ شیطان کا خام چیلا تھا۔ اس کے جسم پر کپڑے کے نام پر ایک لگوٹ ہوتا۔ جب وہ بھجھوٹ مل لیتا تو لگوٹ سے بھی بے نیاز ہو جاتا۔ اس کے ساتھ رہنا بہرائی تھا۔ لیکن میں رہی اور کچھ بات یہ ہے کہ اس نے مجھے جو مل کھایا، وہ نایاب تھا۔ میری ”خدمت“ کے بد لے اس نے وہ سب کچھ مادیا جو وہ جاتا تھا۔

وہرہم وہ ایک دن بڑی موجود میں تھا۔ میں اس کے پیردباری تھی کہ وہ اچاک آنکھیں کھول کر بولا۔ ”کاشی کیا تو چاہتی ہے کہ تو اُزی اُزی پھرے۔ تجھے پکھ لگ جائیں۔“

”بُکا کیوں نہیں۔ اس سے اچھی بات بھلا کیرے لئے اور کیا بُکتی ہے۔“ میں ذور اپنی یہی

اس بحث کو حاصل کرنے کے لئے تجھے تین دن زمین میں دن ہوتا رہے گا۔

اگر وہ کیا مجھے اندر دفن کر کے مارنا جانتے ہو؟ ”میں نے اپنا شیرہ ظاہر کیا۔

نہیں۔ تو میرے گئے نہیں۔ اگر تو نے میرے کہنے پر عمل کر لیا تو اسکی شکستی مل جائے گی کہ اینے گرد و حرم داں کو سدا یاد کرے گی۔“

پھر جب دھرم، اس نے مجھے اس عمل کی تفصیل بتائی تو مجھا اندازہ دا کہ یہ کوئی آسان عمل نہیں لیکن مسئلہ یہ تھا کہ کوئی بھتی حاصل کرنے کے لیے مشکلات کا سامنا کرنے پڑتا ہے۔  
س کے یقین دلانے پر میں نے یہ جان لیا عمل کرنے کی خواہان لی۔

جب تین دن کے بعد میں بند قبر سے جستی جاگتی برآمد ہو گئی تو مجھ سے زیادہ دھرم داس خوش تھا۔ خوشی اسے یہ تھی کہ کسی عورت نے اپنی جان پر کھیل کر یہ شکتی حاصل کی تھی۔ اسی دن اس نے میرا نام بدل دیا۔ ”آج سے تو کاشی نہیں، پنکھی کہلانے لے گی۔ اب تجھے پنکوگ کئے ہیں، جہاں چاہے اُزتی پھر۔“ بس اس دن سے میں پنکھی ہو گئی۔ عمر بڑھنے کے ساتھ لوگ مجھے اپنی پنکھی کہنے لگے اور آج میں رانی پنکھی کہلاتی ہوں۔ لیکن حق بھی ہے کہ مجھے پنکوڈ یعنی والا دھرم داس بھی تھا۔

میں نے سات سال اس کے ساتھ گزارے۔ پھر ایک دن عجیب واقعہ ہوا۔ دھرم داس نے مجھے سورج نکلنے سے پہلے انٹھا یا جبکہ اس کا معمول تھا کہ وہ بارہ بجے سے پہلے بھی نہ اٹھتا۔ مجھے انٹھا کر بولا۔ ”چل پنجمی تیار ہو جا۔ تروئی چلتے ہیں۔“

"تردی ہی۔ گر و تمہارا دہاں کیا کام؟" میں نے منتے ہوئے کہا۔

"پکھی بس مت تو جانتی ہے نا کہ میرا نام دھرم داس ہے۔ میں اپنے وقت کے بڑے پندت شرما داس کا بیٹا ہوں۔ میں نے دھرم چھوڑ دیا۔ میں ناٹک ہو گیا۔ پھر میں ایک ایسے راستے چل پڑا، جس کا دھرم سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مجھے کالا جادو سیکھنے کا شوق تھا۔ بس ایک بار پڑی سے اُتر اتو پھر سیدھے راستے پر چل نہ سکا۔ باپ نے میری سرگرمیاں دیکھ کر مجھے گھر سے نکال یا۔ بس پھر بھنٹتا پھرا۔ کہاں کہاں کی خاک میں نہ بیس چھانی۔ مجھے میں نے اپنا سارا علم دے دیا ہے۔ میں نے تجھے جیسی ہورت نہیں دیکھی۔ چنان آج میں تجھے تردنی کی سیر کرتا ہوں۔"

دھرم داس جانے کیا کیا بولتا رہا۔ اسے اس طرح بولتے ہوئے میں نے کبھی نہیں سنائتا۔ گنجائش سے ہم ایک کشتی میں بینچ کر تردنی "پنچے۔ تردنی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں تین یا گنج، جمنا اور سرسوتی ایک ہوتے ہیں۔ اس مقام پر عجیب نکارہ ہوتا ہے۔ جہاں گنج، جمنا، سرسوتی ملتے ہیں، وہاں گنج جمنا کو الگ الگ بتتے دیکھا جا سکتا ہے۔ ان دونوں دریاؤں کا لگ الگ ہے اور سہ دونوں اس طرح ساتھ ساتھ سے ہیں، جسمان کے درمیان کوئی شیشے کی دیوار ہو۔

سورج نکنے والا تھا۔ وہ تم داں سر جھکائے کچھ پڑھنے میں مصروف تھا۔ سورج کی پہلی کرن کے ساتھ وہ کشتی میں کھڑا ہوا۔ اس نے سورج کی طرف ہاتھ باندھ کر کچھ کہا جو میں نہ سمجھ سکتا۔ اس کے بعد اس نے ایک ایسا عمل کیا جس کی وجہ سے ہرگز امید نہ تھی۔ اس نے گزگا جتنا کے ستم پر پانی میں چلا گئے کا دئی۔ میں جتنی روگنی لیکن کوئی اسے نہ پھاسکا۔ تب میں نے الہ بادچھوڑ دیا۔

الآباد سے کھوتی گھامتی میں آکر چینی۔ تاج محل کے نزدیک ایک غریب بستی میں، میں نے اپنا مسکن بنایا۔ میرے پاس بہت کچھ تھا۔ میں نے آس پاس کے علاقوں میں بہت جلد ہرث پائی۔ میں اب چالیس برس کی ہو چکی تھی لیکن میرے حسن کی جولانی میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ میں اب کسی موجیں مارتی ندی کی طرح تھی۔ اس دن بلکی بارش ہو رہی تھی کہ دروازے کی نئی بجائی۔ میں سازھی سنبھالتی ہوئی دروازے پر آئی۔

رجب میں نے دروازہ کھولا تو بھئے امید نہ ہی کہ میرے گھر کے دروازے

کھلے ہاتو کوئی اسکلہ نہ شش عورت اس کے سامنے آجائے کی جسے وہ دیکھتا رہ جائے گا۔ وہ شاید میرے پاس یہ سوچ کر آیا تھا کہ کوئی عمر سید، خبیث صورت عورت اس کے سامنے

میرالب ولجہ، میری آوازن کرو مزید پریشان ہوا۔ اسے خیال ہوا کہ کہیں وہ ملٹ دوڑا زے پر تو نہیں آگیا ہے اس نے کسی تدریج ہمکتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا آپ پنجمی جی ہیں؟“

"میں آسمی ہوں۔ آسمی جی بیس۔" میں نے سکرال راپنی جان لیوا آٹھوں سے ایک خاص ادا سے دیکھا تو وہ متاثر ہوئے ہنانہ رہ رکا۔  
وہ میرا ہم عمر ہی تھا۔ نام اس کا شاد ازیب تھا۔ میں نے زندگی میں بڑے مرد دیکھے تھے لیکن اس کی بات ہی اور تھی۔ کوئی ایسی بات، کوئی ایسی کشش کہ اس نے میری روح تک کو اسیر کر لے چکی اُڑنا بھول گئی تھی۔

لئے میں ہمیں حکی جیں۔ شادی بے انتہا اور اس قدر بے نہیں ہوا کہ وہ اس لڑکی کے پیچے گھر تک جا پہنچا۔ دو کانج کی طالبہ تھی اور سائیل رکشا پر کانج جایا کرتی تھی۔ شادی بے انتہا محبت نے اسے اپنا اسیر کر لیا۔ وہ اس سے شادی کرنے کا خواہ مشنڈ تھا۔ لہکی بھی راضی تھی لیکن گھر والے نہ تھے ان کے ہاں خاندان سے باہر شادی کرنے کا روایج نہ تھا۔ دوسرے شادی بے اور قریب دین کے درمیان عمر دوں کا فرق تھا۔ وہ میرے پاس اس مسئلے کے حل کے لیے آیا تھا۔ میرے نے ساری تفصیل بتا کر بڑی بے نہیں سے کہا تھا۔ ”نکھلی جی، آپ قریب دین کی مجھ سے شادی کروادیں۔ میں آپ کامنہ موتیوں سے بھر دوں گا۔“

"شادی میں ہر ممکن کوشش کروں گی۔" میں نے اسے جواب دیا اور دائی میں نے کوشش بھی کی کہ اس کے گمراہے راضی ہو جائیں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ پڑوں اس کی قسمت میں نہ اس کی خاندان میں شادی طے کر دی گئی۔ لزکالا بور میں تھا۔ شادی کے تین ماہ بعد تمہاروں ن لا ہو رچلی گئی۔

تقرپ دین نے آگرہ چھوڑتے ہوئے شادی بیب کو پیغام بھجوایا کہ وہ ہمیشہ کے لیے لاہور جا رہی ہے۔ چاہتی ہے کہ آخری بار اس کی جنگ دیکھ لے۔ اس نے مجھے قمر کے رے میں آ کر بتایا۔ وہ اسٹیشن جانے کے لیے تیار نہ تھا، کہتا تھا کہ میں اسے رخصت ہوتے دیکھنے سکوں گا۔ خدا جانے کیا کرنے میں بھوکھوں۔ میں نے اس کی ہمت بندھائی۔ اس آخری ملاقات

میں خود اس کے ساتھ اشیش گئی۔ قرپوین لیڈر زکارٹ میں تھی۔ وہ برقع میں تھی۔ چہرے پر نتاب تھا لیکن آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں واقعی حسین تھیں۔ پلیٹ فارم رش تھا۔ شادزیب اس کی کھڑکی کے نزدیک کسی سافر کی طرح کھڑا تھا۔ میں بھی وہیں تھی لیکن شادزیب سے منہ پھیرے کھڑی تھی۔ میں رخصتی کا وہ منظر کبھی نہیں بھلا پائی۔ ٹرین نے رینکنا شروع کیا تو قرنے اپنا نتاب آتا رہا۔ تب میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں ہی نہیں، وہ خود بھی آنکھوں کی طرح حسین تھی۔ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور وہ کھڑکی کی ملاخوں سے اپنا سر نکر رہی تھی۔ گھڑی آہستہ آہستہ پلیٹ فارم چھوڑ رہی تھی۔ ملاخوں سے سر نکراتے دیکھ کر شادزیب کی حالت

جاتے ہوئے اس نے آخری بار شاہزادب کی طرف پٹ کر دیکھا۔ انہا تازک ہاتھ باہر نکال کر ہلایا اور آنکھوں سے اچھل ہو گئی۔ شاہزادب نے آگے بڑھ کر ریل گڈی میں چڑھنا لکھا۔ نہ کہ اتر مختلط، سکھا! ”ختم شاندیز۔“

پہنچیں، میرے لبکھ میں کیا تھا کہ وہ نہ سمجھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے۔ میں نے اپنی سازھی کے پتو سے اس کی آنسو بھری آنکھیں صاف کیں اور اسے اپنے گھر لے کی۔ اسے کسی طور قرار نہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ اسے قرار آجائے گا، وہ قرپروین کو بھول جائے گا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کا غم کم ہونے کے باجے گہرا ہوتا گیا اور پھر ایک دن اس نے عجیب فیصلہ کیا۔ اس نے لاہور جانے کی ٹھان لی۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ اس کا لاہور جانا نہیں نہ ہو گا۔ قریکی شادی ہو چکی ہے۔ تم اگر باکر اس سے ملوگے تو اس کی زندگی بتا بوجائے گی۔ اسے بھول جانا ہی بہتر ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ وہاں جا کر کوئی ایسا کام نہ کرے گا کہ جس سے اس کی زندگی بر باد بکر ہے۔ اسے تسلی اسے گا کہ اس کا محنت اس کا شہر میں اسے۔ محنت کا عجس روپ تھا۔ اس نے زندگی بھر شادی کرنے کے اور اس کا سرکار کا نام لے لے کر حسے جانے کا عہد کر لاتا۔

س پہلی نظر میں ہی اس پر مرتضیٰ تھی۔ ملاقاتوں کے بعد یہ محبت اور گہری بوتی تھی۔ مجھے اس دست تک قرار نہ آتا جب تک میں اس پر

ن۔ میں نے اپنی محبت اپنے دل میں چھپا کر رکھی ہوئی تھی، اظہار کرنی بھی تو اس کا کیا فائدہ ہوتا۔ وہ کسی اور کے عشق میں سرتاپاڑو باہوا تھا۔ ذر تھا کہ اظہار کے جواب میں وہ کہیں



ہوتے ہی وہ ملی اُنہوں نے۔ اس نے ایک نظر دتے کو دیکھا اور بیٹھے فرش پر چلا گئے کالی اور تیزی سے دوڑتی ہوئی کرے سے نکل گئی۔ ملی کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر دفتر فوراً ایک طرف ہو گیا تھا۔ اس نے ملی کو اپنے کرے سے باہر چکنے میں جاتے دیکھا۔ کالے منہ کی سفید ملی کو دیکھ کر دفتر کو اپنے لیکن ہو گیا کہ عابر نے جو کہا چکا۔ اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر عابر کو جنموز ڈالا۔ عابر کدم گھبرا کر اٹھا۔ دفتر کو اپنے کرے میں پا کر اسے گھن ہوا کہ ضرور کوئی گزیرہ ہو گئی ہے۔

"وقار۔ کیا ہوا؟" عابر نے دفتر کے چہرے پر ہوا یا اس اڑتے دیکھ کر کہا۔

وقار نے جب کالے منہ کی ملی کے بارے میں تفصیل سے بتایا تو عابر نے فوراً پوچھا۔ "تجھے کوئی نقصان تو نہیں پہنچا یا؟" "نہیں۔" وقار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "یار۔ ایک بات میں تجھے بتا دوں کہ وہ ملی نہیں ہے۔"

"ابے۔ پھر کیا شیرنی ہے؟" عابر نے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ ملی نہیں ملتا ہے۔" وقار نے اکٹھاف فرمایا۔ یاددازہ اس نے اس وقت لگایا جب وہ ملی عابر کے ساتھ بے سند دانداز میں لیٹا ہوا تھا۔ "او۔ یا رتیری ریسرچ کا شکریہ۔ میں یہ انداز نہیں لگا پایا۔ دیے میں نے اسے ایک آدھ باری دیکھا اور وہ بھی چھلانگیں مارتے ہوئے۔"

"کیا اس وقت تم نے اسے نہیں دیکھا؟" وقار نے سوال کیا۔

"نہیں۔ تم مجھے نہ اٹھاتے تو میں سمجھ ہی اٹھتا۔" عابر بولا۔

"میں بھی شاید اسے نہ دیکھ پاتا۔ تمہارے کرے کی لائٹ کھلی ہونے پر میں کرے میں آیا، یہ دیکھنے کے لیے کہ تم اس وقت لائٹ جلا کر کیا کر رہے ہو؟" "لیکن یار۔ میں تو لائٹ جلا کر نہیں سویا تھا۔" عابر نے بتایا۔

"پھر لائٹ کیسے جلی؟"

"پہنچیں۔"

"یار۔ یہ ملٹا تیرے پہنچے کیوں لگا۔ ملکتی تو کوئی بات بھی تھی۔" وقار کی آنکھوں میں شرارت اُتر آئی۔

"یہ سارا کھیل ڈاکٹرا انتبار کی لیب سے شروع ہوا۔ پہنچیں یہ کیا چیز ہے۔"

"بہر حال، جو بھی ہے، تمہارا محاذ ہے۔" وقار یہ کہہ کر اس کے کرے سے نکل آیا۔ اس نے واش روم جانے کے لیے گھن کی لائٹ جلا دی۔ گھن کے ایک طرف واش روم اور دوسری جانب گھن تھا۔ ابھی اس نے گھن میں تدم رکھا ہی تھا کہ کچھ کے دروازے پر عجائب نثار دیکھا۔

0.....0.....0

ابھی رانی پنکھی اسی اُدھیزہن میں تھی کہ بچہ کی تکنیف دو فرماش کا کیا جواب دے کر کالی آپنی۔ رانی پنکھی بھی کہ وہ اس کا خون لینے آئی ہے لیکن اس کے ہاتھ میں پالنے نہیں تھا۔ وہ اس وقت خون کی بھیست لینے نہیں، بلکہ کا پیغام لے کر آئی تھی۔

"ہاں۔ بول۔ کیا کہنے آئی ہے؟" رانی پنکھی نے سوال کیا۔

"بچہ نے انجوکے بارے میں کچھ کہا تھا۔ ٹو نے جواب نہیں دیا۔" کالی نے سوال کیا۔

"میں جواب سوچ رہی ہوں۔"

"اب جواب دینے کا وقت گزر گیا۔ بچہ نے حکم دیا ہے کہ انجوکو نور آزاد کر دے اور آج سے تیرہ دویں دن اماں کی رات اس کی ملی چڑھانے کی تیاری کر لے۔ اور یہ بات اچھی طرح اپنے بھیجے میں بخالے کہ بچہ، انجوکی ہر صورت بھیست لے کر رہے ہے۔ تجھے بچہ پر اسے قربان کرنا ہو گا۔ میری بات کیا ہوئے نے اچھی طرح سمجھ لی؟"

"اگر میں انجوکی بھیست دینے سے انکار کر دوں تو؟" رانی پنکھی نے سراغناہی۔

"ٹو کیوں تباہ بر باد ہوتا چاہتی ہے۔ آخڑو چاہتی کیا ہے۔ تجھے ہر کام میں نہیں کہنے کی عادت کیوں ہے۔" کالی نے اپنی منہ سے باہر نکلی سرخ زبان بلائی۔

"بچہ سے پوچھنا کہ اس ناطکہ مم کرانے کی عادت کیوں ہے؟"

"بھیست لینا اس کا حق ہے۔ آخڑا نے انجوکا" بھیست بالا" بننے کا اتنے برس انتشار جو کیا ہے۔" کالی بولی۔

"اس نے یہ بات بچہ سے چھپا کر کی۔ اگر وہ اپنا ارادہ بچہ پر پہلے سے ظاہر کر دیتا تو میں انجوکو گھر میں رکھتی ہی نہیں۔ اسے کب کا آزاد کر دیتی۔"

"اب کر دے آزاد۔ بلکہ خود یہ چاہتا ہے۔"

"ہاں میں اسے آزاد کر دوں گی لیکن اسے بھیست چڑھانے کے لیے نہیں۔ میں اپنی انجوکو کچھ قربان نہیں ہونے دوں گی۔"

"تو پھر اپنی تربانی کی تیاری کر لے۔" کالی نے ایک اور پا پھینکا۔

"ہاں۔ میں خود قربان بوجاؤں کی لیکن اپنی انجوکو ملی چڑھنے سے بچا لوں گی۔"

"تو پھر میں بیگن گوتیری طرف سے یہ پیغام دے دوں کہ تو اس کی رانی بننے کے لیے تیار ہے۔" کالی نے اپنی سرخ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، جا۔ اب دفعہ ہو جا۔" رانی پنکھی نے گلوگیر آداز میں کہا اور اس نخوس صورت کالی کی طرف سے من پھیر لیا۔

۱۳۔ پنکھی، کرم۔ بھجہ تھے، بکا، ۱۷، ۰۹۔ ۱۴، ۰۹۔ مگن۔

یہ جیخ نیتیہ اتارہ کی تھی۔

رانی پکھی گھبرا کر کرے کی طرف بھاگی۔ جب وہ کمرے میں پہنچی تو اتارہ کو جیخ جیخ کر دتے پایا۔ وہ بیڈ پر اس کے ساتھ بینچ گئی اور اسے خود سے لپٹاتے ہوئے بوی۔ ”کیا بوا انجو؟“

رانی پکھی کو قریب پا کر دہ اور زور سے رد نہیں۔ رانی پکھی نے اسے رد نہ دیا۔ وہ اس کے پیش میں بالوں پر ہاتھ پھیرتی رہی۔ جب اتارہ کی سکیاں کمبوئیں تو رانی پکھی نے اس کا چہرہ انھا کر انہی طرف کیا اور بوی۔ ”میرے ہوتے ہوئے تجھے رد نے کی ضرورت نہیں۔ مجھے بتا کیا بوا؟“

”اما۔ میں نے کالی کی ساری باتیں سن لی ہیں۔“ اتارہ نے اس کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے کہا۔ ”اما۔ اگر مجھ میری بھینٹ مانگ رہا ہے تو مجھے اس کی بھینٹ چڑھ جانے دے۔ میں تو یہ یہ سے قربان ہوتی آ رہی ہوں۔ اب ایک لکھی اور سکی۔ تو اپنے آپ کو بر بادنہ کر۔ زبردستی اس کی رانی نہ بن۔“

”نبیں میری انجو۔ تو پریشان مت ہو۔“ رانی پکھی نے اتارہ کا آنسوؤں سے بھینٹ چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ ”میں نے تجھے پال پوس کر اس لیے سولہ سال بائیں کیا کہ تیری لکھی دے دوں۔ میں مست جاؤں گی لیکن تجھ پر آنچ نہیں آنے دوں گی۔ اب میں تیری آنکھ میں آنسونہ دیکھوں۔ مجھے وہ کرنے دے جو میں چاہتی ہوں۔ میں دیکھتی ہوں کہ وہ کہاں ہے؟“

”اما۔ کون کہاں ہے؟“ اتارہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

”تیری زندگی کا ساتھی۔“ رانی پکھی کچھ سوچتے ہوئے بوی۔ ”مجھے لگتا ہے کہ وہ کہیں آس پاس ہی موجود ہے۔“

”ہائے جع!“ اتارہ یکدم کھل اٹھی۔ ”اما جلدی پہا کر، میرے بھاگ جانے والا کہاں ہے؟“

”پہا کرتی ہوں۔“ رانی پکھی اتارہ کے بیڈ سے اٹھتے ہوئے بوی۔ ”انجو، چل باہر آ جا۔ پہلے تجھے لئی کے روپ سے آزادی دلاو۔“

”اما۔ تو کتنی اچھی ہے، جو فیصلہ تو نے مجھے بچانے کے لیے کیا ہے، شاید میری سگی ماں بھی ایسا نہ کرتی۔“

”انجو۔ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی کہ تیری سگی ماں کیا کرتی لیکن اتنا ضرور ہے کہ بیٹا کی رانی بننے کا فیصلہ میں نے دل سے نہیں کیا۔ تجھ جنم جلی کو شکری بھری زندگی مل جائے۔ اس احساس کے ساتھ میں، میں نیا جیون کاٹ لوں گی۔ آ جل باہر آ جا۔“ رانی پکھی نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

اتارہ اس کے ساتھ ہی باہر صحن میں آگئی۔ رانی پکھی نے باورچی خانے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”میں ہون تیار کرتی ہوں جب تک تو اشان کر کے آ جا۔“

”اچھا اما۔“ یہ کہہ کر اتارہ فسل خانے کی طرف بڑھ گئی۔

رانی پکھی نے باورچی خانے میں جا کر چولبا جایا۔ پھر اس نے گرم را کچھ چوٹیے سے ٹال کر المونیم کے بڑے پیالے میں بھری اور باہر صحن میں آگئی۔ اس نے صحن کے درمیان

پیالے سے اس طرح را کو گرفتی کر ایک حصہ میں گیا۔ اس کے بعد اس نے را کھا درجتے کوئے اس حصہ میں ڈالے اور پھر چار پانچ جلتی ہوئی لکڑیاں حصہ میں رکھ دیں۔ اس طرح ”ہون“ تیار ہو گیا۔

اسنے میں انہارہ شسل کر کے باہر آگئی۔ بناءنے کے بعد اس کے حسن میں مزید لکھا رہا گیا تھا۔ رانی چکھی اسے قسمی آمینہ نظر دیں سے دیکھتی رہی۔ یہی عمر تو تمی جب اس پر جوانی نوٹ کر بری تھی۔ آئینے میں اپنا نکس دیکھ کر غدر سے اس کی گردان تن جایا کرتی تھی۔ وہ کسی بھی مرد کو بغیر خبر کے قتل کرنے کی ملاحت رکھتی تھی۔ یہ اس کی بد قسمی تھی کہ اس کی مرضی کے خلاف اس کی بولی لکھی اور پھر بولی لکھنے والی پانچ جلتے کے خبر سے قتل ہو گئی اور وہ پانچ جلتے کی قاتلہ ہو گئی۔

”اماں۔ کیا دیکھ رہی ہے؟“ رانی چکھی کی نظریں جب مسلسل اس پر مرکوز رہیں تو اسے نوکنا پڑا۔

”انجو۔ اس وقت تجھے دیکھ کر بیتا زمانہ یاد آگیا۔ بھی مجھ پر بھی اسی طرح بہار آئی تھی۔“ رانی چکھی نے مسکرا کر کہا۔ ”آنجو۔ ہون کے سامنے بیٹھ جا۔“

انجو میں پر جلتے الاؤ کے سامنے بیٹھ گئی۔ رانی چکھی نے ایک جلتی لکڑی الاؤ سے ٹال کر اس کے چاروں طرف گھمائی اور پھر کچھ پڑھتے ہوئے لکڑی اپنی جگہ رکھ دی۔ جلتی لکڑی واپس رکھتے ہی انہارہ کو اپنے اندر اک آگی گئی محسوس ہوئی۔

”آ۔ انجو۔ آ۔“ رانی چکھی نے آنکھیں بند کر کے زور سے آواز لگائی۔

”اماں۔ میں تیرے سامنے بیٹھی تو ہوں۔“ انہارہ فوراً بولی۔

”تو مجھے دکھائی دے رہی ہے۔ تو چپ بیٹھ۔“ رانی چکھی نے اسے تنبیہ کی۔ ”یہ کہاں مر گئی۔ انجو۔“

0.....0.....0

وقار نے دیکھا کہ اس کا لے منہ کے سفید لہے کے ساتھ ایک اس جیسی ہی لہی موجود ہے۔ یہم ٹھل لہنی، لہنے کے مقابلے میں تمہاری ڈلی تھی۔ باقی دونوں کی شکلوں میں سرسری نہ تھا۔ دو ہم ٹھل بلیاں دیکھ کر وقار پر پیشان ہو گیا۔ وہ داش رام جاتا بھول گیا۔ واپس عابر کے کرے میں آیا۔

وقار کو بدھوں دیکھ کر عابر فوراً آٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ بولا۔ ”اب کیا ہوا یا ر؟“

”تیرے ہوتے ہوئے جو نہ ہو جائے کم ہے۔ ذرا بہر چل کر دیکھے۔“ وقار اس کا ہاتھ پکڑ کر انھاتے ہوئے بولا۔

دونوں ٹھل کر باہر آئے۔ وقار نے کچن کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ دیکھو۔“

عابر نے کچن کے دروازے کی طرف دیکھا تو وہاں اسے کچھ نظر نہ آیا۔ وقار نے گھوم پھر کر چاروں طرف دیکھا، حتیٰ کہ داش روم میں بھی جھاک آیا، لیکن دو دونوں کہنیں موجود نہ تھے۔ ”یار یہ کیا چکر ہے؟“

”بوا کیا۔ کچھ بتاؤ تو؟“ عابر نے وقار کو نے بچالوں میں کچھ ڈھونڈتے پا کر پوچھا۔

”یار۔ یہاں۔ کچن کے دروازے پر دو ہم ٹھل بلائیں ایک ساتھ بیٹھنے ہوئے تھے۔ دونوں کے منہ کا لے اور جسم سفید تھے۔ یار عابر میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ اتنی دیر میں جانے دو کہ ہر چلے گئے؟“ وقار پر پیشان ہو کر بولا۔

”اس میں پر پیشان ہونے کی کیا بات ہے۔ میرے کرے سے باہر آنے تک، اتنی دیر میں دو کہنیں بھی چلا مگ۔ اور کر جاسکتے ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میرے لہنے اسے ایک بخت میں اپنے جیسی ہی لہی ڈھونڈ لی۔ یار، یہاں تا تو برا تیز لگا۔“ عابر نے بہتے ہوئے بات کا راز پھیرا۔

”بس پھر تو ذوب مر چلو بھرپانی میں۔“ وقار نے داش روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

0.....0.....0

اور جب انجو کے ساتھ اس کے ہم ٹھل لہنے نے بھی باور پیٹی خانے کی چھت سے گھن میں چلا مگ لگائی تو انہارہ نہ حیرت انداز میں جھین۔ ”اماں، یہ تو ایک سے دو ہو گئی۔“

رانی چکھی نے ان دونوں کو بغور دیکھا اور پھر سرت بھرے لہنے میں بولی۔ ”یہ ایک سے دو نہیں بلکہ دو سے ایک ہوئے ہیں۔“

”ہائے اماں۔ ذرا غور سے دیکھو۔ تیری آنکھوں نے کام کرنا چھوڑ دیا کیا۔ مجھے تو یہ دنظر آ رہی ہیں، بالکل ایک جیسی۔“

”بے دوف لڑکی۔ یہ بات میں نے غور سے دیکھنے کے بعد ہی کہی ہے کہ یہ دو سے ایک ہوئے ہیں۔ اری ان میں سے ایک ملائی ہے۔ اب مجھے کچھ پا کرنے کی ضرورت نہیں۔“

جو کام مجھے کرنا تھا، وہ انجو کر کے آگئی۔ وہ آگیا ہے اور سینک پاس پڑوں میں ہے۔ لیس اب تیرے بھاگ جانے کو ہیں۔“

”اماں۔ جلدی بہاں کی ٹھل کیسی ہے؟“ انہارہ بے جھین ہو کر بولی۔

”ایک بے ٹھل نہ ہو۔ مجھے اپنا کام کرنے دے۔ بہت جلد سب کچھ تیرے سامنے آجائے گا۔ پہلے تو اس تیڈے رہائی تو پا لے۔“ رانی چکھی سکراتے ہوئے بولی۔ پھر اس نے تلی کو اشارہ کیا۔ وہ اشارہ پاتے ہی رانی چکھی کے نزدیک آگئی جبکہ ٹلانا اپنی جگہ میٹھا رہا۔

رانی چکھی نے ایک جلتی لکڑی الاؤ سے ٹال کر تلی کے چاروں طرف گھمائی اور پھر کچھ پڑھتے ہوئے لکڑی الاؤ میں رکھ دی۔ اس کے بعد اس نے چاندی کا بھاری تیوینہ گھٹے سے اٹارا اور اس پر کچھ پڑھ کر پھونکا۔ پھر اس نے دتوینہ انہارہ کی پیشانی پر رکھا اور اسے اگوٹھے سے دبایا۔

تیوینہ کے پیشانی پر رکھتے ہی انہارہ کو یوں لگا جیسے اس کے امداد الاؤ بھر کر آغا ہو۔ دشعلوں میں بھر گئی ہو۔ یکدم اس کے جسم کو جھنکالا گا اور دو بے ہوش ہو کر ایک طرف لڑک گئی۔ پھر یہی مل اس نے تلی کے ساتھ ڈھرا رہا۔ وہ چیخ مار کر یکدم فرش پر لیٹ گئی۔ تب تلے نے خوفزدہ ہو کر باور پیٹی خانے کی چھت پر چلا مگ لگائی اور دروازے کی دیوار پر دوڑتا

ہوا تھی میں کو دیگیا۔ رانی پنکھی نے اسے جاتے ہوئے دیکھا لیکن اسے رد کرنے کی کوشش نہیں کی۔

پھر اس نے چاندی کا بھاری تھوڑی ملٹے میں ڈالا۔ اپنے لہنگے میں منکی سوکی ٹکال کراپنی انگوپھاری۔ خون کے تم قطرے جلتے الاڈ پر پکائے۔ خون کے قطرے آگ پر گرتے ہی وہ یوں بجھنی جیسے اس پر سولیز پانی ڈال دیا گیا ہو۔

الاؤ بجھا کر وہ انارہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ انارہ آنکھیں بند کیے، اینہوں کے فرش پر بے سند ہٹتی ہوئی تھی۔ وہ اس وقت باکی حسین لگ رہی تھی۔ رانی پنکھی یک ہنگ اسے دیکھتی رہی اور انپنی گم شدہ جوانی اس میں ذہونڈتی رہی۔ پھر اس نے ہمکن میں لگنے لگنے سے اپنے چلو میں پانی لیا اور اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اس کی دونوں آنکھوں پر ڈال دیا۔ پانی پڑتے ہی انارہ کی آنکھوں میں جنبش بوئی اور پھر اس نے پٹ سے دونوں آنکھیں کھول دیں۔ اس نے نظریں گھما کر اندازہ کیا کہ وہ کہاں ہے۔ رانی پنکھی پر اس کی نظر پڑتے ہی وہ انکھ کر بیٹھنی۔ اسے اپنا جسم بہت بکھر کھلا لگا۔ پھر وہ شاداں و فرحاں انکھ کر کھڑی ہو گئی۔

کالے منہ کی سفیدی میں کی آنکھوں پر جیسے ہی پانی پڑا، وہ فوراً انی آچھل کر بینہ گئی۔ رانی پنکھی نے جنک کر اسے انخالا۔ اسے پیار کر کے انارہ کی طرف بڑھا دیا۔ انارہ نے اسے دونوں ہاتھوں میں انخاکر پیار کیا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔ ”کہاں ہے وہ؟“

یہ سن کر کاٹے منہ کی تینی اس کے ہاتھوں میں کسمائی اور پھر پھسل کر فرش پر کوئی۔ وہاں سے اس نے بادر پی خانے کی چھپت پر چھلانگ لگائی اور دروازے کی دیوار پر دوڑتی ہوئی گلی میں کو گئی۔ تینی کے جانے کے بعد رانی پنکھی، انارہ کی طرف بڑھی اور اسے گفتگو کر بہت دریک کھڑی روئی رہی۔

0.....0.....0

عاشر گودہ خواب صبح صادق میں نظر آیا تھا۔

ایک مرتبہ پھر اس نے اپنے دادا نثار ایوب کو دیکھا تھا۔ یہ خواب بہت صاف اور واضح تھا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے دادا بھی اس کے سرہانے سے انکھ کر گئے ہوں۔

اسے دادا کی کہی ہوئی ایک ایک بات اچھی طرح یاد تھی۔ دادا نے اسے جو کچھ بتایا، دو عابر کو حیران کرنے کے لیے کافی تھا۔ دادا کی اسرار کھوئی باتیں، آنکھیں کھوئی بڑا بیتیں اور گرہیں کھوئتے انکشافتات۔ اس خواب نے اس پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔ اسے نہیں اندازہ تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ وقار کے دفتر جانے کے بعد جب وہ دروازہ بند کر کے پلنا تو اس نے کچن کے دروازے پر دو ہم ٹھیک بیلوں کو دیکھا۔ عابر کو یہ اندازہ کرتے دریک گلی کہ ان میں ایک ملا ہے۔ وقار نے جو دیکھا تھا، اب وہ خود اس کے سامنے تھا۔ کسی قسم کی تردید یا شے کی مجنماں نہ رہی تھی۔

وہ ان دونوں کو بغور دیکھتا کرے میں داخل ہو گیا۔ ان دونوں کی ٹھیک و صورت میں کوئی فرق نہ تھا، سوائے جامات کے۔ نہیں کے مقابلے میں تینی اسارت تھی۔ عابر کے بیڈ پر بیٹھتے ہی وہ دونوں ہم ٹھیک بیلوں بھی کرے میں آنکھیں اور بے تکلفی سے بیڈ پر چڑھ کر بینہ گئیں۔ ملاد راقا مسلے پر تھا لیکن تینی اس کے خاص انداز دیکھ دیکھی اور من انھا کر اس کی طرف بڑے عجیب انداز میں دیکھ رہی تھی۔

عاشر نے جو نہیں اس کی طرف باتھ بڑھایا تو تینی نے فوراً بینہ سے چھلانگ لگائی اور کرے سے نکل گئی۔ تینی کو جاتے دیکھ کر نہیں کے جسم میں بھی حرکت ہوئی اور وہ بھی بینہ سے کوکر فرش پا آیا اور تیزی سے دروازہ ہوا کرے سے نکل گیا۔

عاشر جب انکھ کر باہر آیا تو وہ دونوں گمر سے عاشر ہو چکے تھے۔ عابر نے انہیں گمر میں ذہونڈنے کی کوشش نہیں کی۔ اسے پہلی بار کی تھا کہ وہ دونوں اب گمر میں نہیں ہیں۔ شام کو وقار دفتر سے آیا تو عابر نے ان ”دونوں“ کی آمد کی اطلاع بھی پہنچائی۔ وقار نے ان کی ٹھیک و صورت کی تصدیق کی۔ پھر بہن کو بولا۔ ”تو نے یار نیک کہا تھا کہ تیرا بیٹا بڑا تیز لگا۔ ایک نہتے میں ایک زبردست حسین پھسالا۔“ دیے یہ کیس کچھ بھج میں نہیں آیا۔“

”اور بھی میں تجھے جو بتانے والا ہوں، وہ سن کر تیری آنکھیں ضرور پھٹ جائیں گی۔“ عابر نے اس کی طرف سکراتے ہوئے کہا۔ ”پھر تو کبھی گیا در تیرا کیس کیسی سمجھی میں نہیں آیا۔“ ”مجھے لگتا ہے جیسے میری عقل گم ہونے کو ہے۔“ وقار اپنا سر پکڑ کر بولا۔

0.....0.....0

سفید لینی اور بیٹا ایک ساتھ گھلے دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ انارہ اور رانی پنکھی چار پانی پر بیٹھی تھیں۔ وہ دونوں رانی پنکھی کے ہیروں میں آکر بینہ گئے۔

”انجو۔ کیا تجھے کچھ محسوس ہو رہا ہے۔“ رانی پنکھی نے انارہ کی طرف دیکھا۔ ”نہیں اماں۔“ انارہ فوراً بولی۔

”دروازہ تو پورا کھلا ہے تا۔“ رانی پنکھی نے پورا کھلا۔

”ہاں اماں۔ دروازہ تو پورا کھلا ہے۔ میں خود کھول کر آئی ہوں۔“

”بس پھر وہ آیا یہی چاہتا ہے۔“ رانی پنکھی نے انارہ کے گفتگو میں بازو دالتے ہوئے کہا۔

”ہاۓ اماں۔ میرا دل بڑے زور زور سے دھڑک رہا ہے۔“

انتہے میں کھلے دروازے کے ایک کواڑ کو کسی نے آہستہ سے بجا یا۔

”لے دے آگیا۔“ رانی پنکھی کی خوش دیدی تھی۔ پھر وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ”انجو، تو بینہ میں اسے لاتی ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

عاشر کھلے دروازے کے درمیان کھڑا رانی پنکھی کو اپنی طرف آتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سفید قیسیں اور کالی پینٹ پہنی ہوئی تھی۔ جیسے ہی رانی پنکھی کی نظر عابر پر پڑی، ایک لمحے کو

اسے اپنادل بند ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ اسے فوراً اپنا شاہزادیب یاد آگیا۔ نوجوانی میں وہ مالک اپنے اسی بار بابو گا۔

"تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟" رانی پچھلی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میرا نام عابر ہے۔ میں آپ نہیں، بھیجا گیو ہوں۔" عابر نے اسی انداز میں جواب دیا۔

چار پالی پتھری اتارہ نے اس کی لکھ آوازی تو بُل ہوا نہیں۔ اس کا حق جاپا کرو دوڑا آٹھ کر اس کو دیکھ لے لیں، وہ انہنزے سک۔

"کس نے بھیجا ہے اور کیوں؟" رانی پچھلی نے اسے اندر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے سیرے دادا نے بھیجا ہے۔ میں اپنی امانت لینے آیا ہوں۔" عابر نے ہن میں تقدیر کرتے ہوئے کہا۔ "معاف کیجیے گا۔ آپ کون ہیں؟"

"میں! اے رانی پچھلی نے اپنے سینے پر باتحکم۔" میں تمہاری امانت کی ماں ہوں۔"

"پھر میرا آپ کو سلام۔ اس کا مطلب ہے کہ میں سچ جگہ بھپوں ہوں۔" عابر آہستا ہے۔ رانی پچھلی کے ساتھ قدم آٹھارا تھا اور ساتھی دوہ اس خزانہ رسیدہ گھر کا جائزہ ہمیں لیتا جا رہا تھا۔

"ہاں تم فیک جگہ پہنچ ہو۔ مجھے تمہارے بھینی سے انتظار تھا۔" رانی پچھلی نے یہ کہہ کر اسے رکنے کا اشارہ کیا اور آوازی کی۔ "انجواؤ۔"

انجوہ تیزی سے اٹھی۔ وہ اس وقت کا لے بلا دوز اور سفید سازی میں تھی۔ اس نے ساہی کا پٹپر رکھا اور نظریں جھکائے۔ رانی پچھلی کے یہچہ آکر کھڑی ہو گئی۔ "تی.....ماں۔"

"اری سیرے یہچہ کہوں چھپتی ہے۔ سانے آ۔" رانی پچھلی نے اتارہ کا تھوڑا کہڑا کرنے سے آگے کیا اور بولی۔ "اے لارکے۔ یہ ہے تمہاری امانت۔ اسے اچھی طرح دیکھو، پہچان لو۔"

عابر کی جب اتارہ پر نظر پڑی تو اسے یہوں لگا جیسے سیاہ بالوں میں کوئی بکھاری کو نہیں ہو۔ ایسا سانوا لسلہ ہے۔ قیامت خیز من اس نے پہلے بھلا کہاں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں خرہ ہو گئیں۔ اسکی پاکا چوند ہوئی کہ ایک لمحے کو اس کی آنکھوں سے سب اچھل ہو گیا۔ انھیں اسچا چاہیا۔

رانی پچھلی نے اتارہ کا باتحکم دیا اور کان میں سرگوشی کی۔ "میری انجوہ آنکھیں کوں۔"

انجوہ نے آنکھیں کھو لیں تو اس کا سانس اور کا درپا درپا رونچے کا نیچے کا نیچے ہو گیا۔ وہ پکشی بھپکانا بھول گئی۔ اس نے اپنی اس زندگی میں کوئی مرد کہاں دیکھا تھا۔ اس کی زندگی تو رانی پچھلی کا بڑھا چہرہ دیکھتے ہوئے گری تھی۔ اب جو پہلا مرد وہ یک شاہکار تو اس کے لپپ پر جو گزری نہیں کھیک گری۔

"بوہو۔ کیا تم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیں؟" رانی پچھلی نے سوال کیا۔

"میں نے تو دیکھ لیا۔" عابر نہ کہ بول۔

"ہاں اماں۔ میں نے بھی۔" اتارہ نے دھمکے لمحے کیا۔

"کیا تم دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کر لیا؟" رانی پچھلی نے پھر سوال کیا۔

"ہاں بہت اچھی۔ بہت پیاری۔" عابر کے ہونتوں پر شوخی سکرا ہتھی۔

"ہاں اماں۔" اتارہ نے غصہ سرا جواب دیا۔

"آگے آؤ جیا۔" رانی پچھلی نے عابر سے کہا۔

عابر دو قدم کے آیا تو رانی پچھلی نے اتارہ کا باتحکم اور ساتھی دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری امانت میں نے تھیں سوچی۔ اب اس پر سرکوئی حق نہ رہا۔ آگے تمہاری مرثی۔"

ابھی اپنے ساتھی لے جائیا دو دوں کے بعد۔ یہ تمہاری ہوئی۔ اسے قبول کرو۔"

عابر نے بلا جھک اس کا دشمن جسما باتھا پے مضبوط ہاتھ میں لے لیا اور بہاء عادل بھی میں بولا۔ "میں نے قبول کیا۔"

"اس کا سدا خیال رکھنا۔" رانی پچھلی نے بھیکی اس کوں کہا۔

"میں انہیں اپنے دل سے کہ کر کھوں گا۔" عابر نے دندہ کیا۔

"میرا تیہ چاہتا ہے کہ اپنی انجوہ کو پوری شان سے خست کر دیں۔ پر میری کچھ ذاتی بھروسہ یا شاہکار تو اس کے لپپ پر جو گزری نہیں ہوئی۔"

رانی پچھلی نے ہمکلی سی سر زنش کی۔

"یہ تو بہت اچھا ہو گا۔ اس طرح دو دوں اور انجوہ سیرے ساتھ رہ دے لے گی۔" رانی پچھلی خوش ہوتے ہوئے بولی۔

.....

کراچی ایئر پورٹ سے جب عابر بابر آیا تو اس نے اپنی پوری ٹھیکی کو پانچھکر بیا۔ صائر کے ساتھ اس کا شورہ اسلام اور پیچے بھی موجود تھے۔ ٹیلی شارا در ناز نہیں غیر موقع طور پر خوش تھے۔ عابر نے لاہور سے ٹلنے سے پہلے اپنی ماں کو ہر دو بات بتا دی تھی۔ جس کا بتایا جانا ضروری تھا۔ دادا کا نام سن کر ہر آدمی خشندا ہو گیا تھا۔ اگر عابر اپنے طور پر اسراہ کوں ملے تو اس کا تھوڑا سی پھر کارڈ رکھنا ہو گی۔ اس کے بعد اس نے رانی پچھلی سے کہا۔ "یہ تو اس وقت بھی میں انہیں اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں۔ ٹیکن دو دوں بھیمل جائیں تو میں انہیں بیباں سے سیرہ حادیہ پرورت لے جاؤ گا۔"

"یہ تو بہت اچھا ہو گا۔" اس طرح دو دوں اور انجوہ سیرے ساتھ رہ دے لے گی۔

"آج۔ میری بھی۔" از نہیں نے فوراً اتارہ کا پہنچے گئے سے بھی۔

عابر کو پہنچے بات پہنچی تھی۔ شارک طرف بڑھا۔ سلام کر کے اُن کے سامنے جسک گیا۔ ٹیلی شارک نے اس کے سر پر باتحکم بھرا۔ صائر اس سے بے اختیار پڑ گئی۔ اسلام نے اسے گلے گیا۔ عابر نے صائر کے بھوپوں کو پیار کیا اور پھر یہ چھوٹا سا قذلہ اپنی منزل کی جانب بڑھا۔

صائر اور ناز نہیں نے دو رات ایک کر کے چھ سات دن میں شادی کی تیاریاں کمل کر لیں۔ سب کی خواہش تھی کہ شادی خوب دھوم دھام سے ہو۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ نامنداں کے لوگوں کو لڑکی کے بارے میں کیا بتایا جائے۔ اتارہ دو کا تو اگے پیچے کوئی نہ تھا۔ لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ عابر اتارہ کو لاہور سے بھج کر لے رہے ہیں۔ کس سے کیا کہجے جسکے اتارہ کا گھر میں سفر انجام دے دیا جائے۔

صائر پہلے دوں ہی اتارہ کو اپنے گھر لے گئی تھی اور عابر پر ملاتات کی باندی بھی دینی تھی۔ اتارہ بہت خوش تھی۔ البتہ رات کو دھنہ ہوئی تو بے اختیار رانی پچھلی یادی ہے۔ اسے پہلے دوں ہی میں اس کے آس پاس ہی ہے۔ رخصت ہوتے دو دوں کے ہونتوں سے چاندی کا جہاری تھوڑی آٹھارہ کاں کے جوانے کے ہوئے ہے۔

رانی پچھلی نے کہا تھا۔ "انجوہ۔ یہ تھوڑے اپنے ساتھ لے جا۔ اسے سمندر میں پھیک دینا۔ یہ سادا کی جس دن ہے۔ اگر یہ رے کسی ٹیکلے کے ہاتھ لگ گیا تو دو دوں کی ٹھیکی کر دیا جائے۔" اسے پہلے دوں ہی میں دو پاگل ہو جائے گا۔ طاقت کا استدال بھی وہی فحش کر سکتا ہے جو خود طاقتور ہو۔ پی کر سب بہک جاتے ہیں۔ اصل وہ جو پی کر نہ بھکے۔ میرے شاگردوں میں ایک بھی اسے سنبھالنے والا نہیں۔ اس کا سمندر نہ ہو جانا ہی اچھا ہے۔

وہ تھوڑی اچھی تک سمندر کے حوالے نہیں کیا گی تھا۔ عابر چاہتا تھا کہ شادی کی تھی۔ اتارہ کو لے جائے گا اور اس تھوڑی کو رانی پچھلی کی پہاہت کے مطابق سمندر نہ کر دے۔

اتارہ اور عابر کو آئے ہوئے ابھی ایک رات تھی گزری تھی کہ شارک طرف کے ہونتوں سے ڈاٹ کر کہا۔ "یہی خوفست قم نے اپنے کرے میں رک چھوڑی ہے، اُسے فوراً سمندر نہ کر دے کرو۔"

تب عابر سچھ ایسی تھی کہ صائر کے گھر بھی گیا۔ اس نے دہاں سے اتارہ کو لیا اور پاکس سے پہنچا۔ صائر بھی مدد کر کے ان کے ساتھ آٹھی تھی۔ اتارہ نے سمندر میں پھیکا جائے۔ یہ سمندر میں چننا در جا کر گئے۔ اچھا ہے۔ سمندر کے حوالے کرنے کے بعد بہانہ پھر بھرنا۔

رانی پچھلی نے کہا۔ "کہا تھا۔" اس نے دہاں سے اتارہ کو لیا اور پاکس سے پہنچا۔ صائر بھی مدد کر کے ان کے ساتھ آٹھی تھی۔ اتارہ نے سمندر میں پھیکا جائے۔

عابر نے چھوڑ دیا اور اس پر نظریں جو جانی۔ اس نے دہاں سے بھی تھوڑی کو سمندر میں گرد کر کر کٹ کیں۔

چند ٹکڑے کو دن شادی کی تھیں۔ اس نے دہاں سے بھی تھوڑی کو سمندر میں گرد کر کر کٹ کیں۔

چھوڑ دیا اور اس کے ہونتوں سے بھی تھوڑی کو سمندر میں گرد کر کر کٹ کیں۔

چھوڑ دیا اور اس کے ہونتوں سے بھی تھوڑی کو سمندر میں گرد کر کر کٹ کیں۔

چھوڑ دیا اور اس کے ہونتوں سے بھی تھوڑی کو سمندر میں گرد کر کر کٹ کیں۔

چھوڑ دیا اور اس کے ہونتوں سے بھی تھوڑی کو سمندر میں گرد کر کر کٹ کیں۔

چھوڑ دیا اور اس کے ہونتوں سے بھی تھوڑی کو سمندر میں گرد کر کر کٹ کیں۔

چھوڑ دیا اور اس کے ہونتوں سے بھی تھوڑی کو سمندر میں گرد کر کر کٹ کیں۔

چھوڑ دیا اور اس کے ہونتوں سے بھی تھوڑی کو سمندر میں گرد کر کر کٹ کیں۔

چھوڑ دیا اور اس کے ہونتوں سے بھی تھوڑی کو سمندر میں گرد کر کر کٹ کیں۔

چھوڑ دیا اور اس کے ہونتوں سے بھی تھوڑی کو سمندر میں گرد کر کر کٹ کیں۔

چھوڑ دیا اور اس کے ہونتوں سے بھی تھوڑی کو سمندر میں گرد کر کر کٹ کیں۔

